مؤسس: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مارچ ۲۰۰۴

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن



پروفیسر خورشید احمد
ملی و قومی مسائل پر
سینیٹ کی تقاریر
منشورات
کی شائع کردہ
دوسری کتب
امریکی عزائم
اور
اِن کا مقابلہ
امریکہ
مسلم دنیا کی
بے اطمینانی
امریکہ، مسلم دنیا کی بے اطمینانی (پیپر بیک)
تحریک آزادی کشمیر
قومی ترجیحات کا چیلنج
سیرت پاکؐ کا تاریخی کردار
نفاذ شریعت
اعلان لاہور
اعلان واشنگٹن
زندگی کی ترجیحات
قحط و خشک سالی
دہشت گردی کا خاتمہ یا نئی صلیبی جنگ کا آغاز
تہذیب کا مستقبل اور اسلام
افغانستان پر امریکہ کا ظالمانہ حملہ
امریکی عزائم اور ان کا مقابلہ
رسول اللہؐ کا معیار زندگی
ملت اسلامیہ
سی ٹی بی ٹی پر دستخط اور پاکستان
پاک بھارت تعلقات اور مسئلہ کشمیر
اسوۂ ابراہیمی اور ملت اسلامیہ کا حال زار
ایٹمی صلاحیت اور قرضوں کا شکنجہ
نجات کا راستہ: احتساب
فیصلے کی گھڑی
سی ٹی بی ٹی اور ایٹمی صلاحیت کا مستقبل
پاکستان عالمی سازشیں اور ان کا مقابلہ
چمن کی فکر کر ناداں
پاکستان: سیکولر یا اسلامی ریاست
دستوری ترامیم یا مستقل مارشل لا
جنرل پرویز پاکستان کو کدھر لے جا رہے ہیں
افغانستان کا المیہ اور حکومت کے کردار کا جائزہ
پاکستان آزادی کے ۵۰ ویں سال میں
اتوار کی چھٹی
سود کی لعنت
ایٹمی صلاحیت، قومی سلامتی اور مستقبل کا چیلنج
خودکشی، خودسوزی اور پاکستانی معاشرہ
معرکہ کارگل
جمہوریت کا المیہ: فوجی قیادت کی آزمائش
مخلوط انتخاب
قرآن حکیم: مقصد، پیغام اور تقاضے
نیا استعمار: پس چہ باید کرد
یوم آزادی: تجدید عہد کا دن
ریفرنڈم کے بعد اصلاحات کا تسلسل یا اصلاح احوال
اسرائیل کو تسلیم کرنے کا مسئلہ
اعلان واشنگٹن
تفصیلات کے لیے رابطہ کریں، فہرست طلب کریں، کتب بذریعہ وی پی منگوائیں یا ڈرافٹ بنام منشورات ارسال کریں۔
منشورات
لاہور - منصورہ، ملتان روڈ، فون: 042 - 5425356 - 5434909 فیکس: 042 - 5432194
کراچی - ڈیسنٹ بک پوائنٹ، A-57 بلاک 5، گلشن اقبال۔ فون: 021-4967661 فیکس: 021-4911218
ای-میل: manshurat@hotmail.com

ماہنامہ
ترجمان القرآن
جلد ۱۳۱، عدد ۳، محرم ۱۴۲۵ھ، مارچ ۲۰۰۴ء

مدیر
پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر
مسلم سجاد

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور - ۵۴۵۷۰
فون: ۵۴۲۵۳۵۶ (۰۴۲)
فیکس: ۵۴۳۲۱۹۴ (۰۴۲)
E-mail: tarjuman@wol.net.pk

مدیر انتظامی
عبدالکریم

۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور - ۵۴۶۰۰
فون: ۷۵۸۷۹۱۶ (۰۴۲)
فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰ (۰۴۲)
E-mail: tarjuman@pol.com.pk
www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے
زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے
معاونِ خصوصی: ۳۰۰۰ روپے
(بیرونی ایڈیشن: ۳۰ روپے)

بنگلہ دیش، ایران، بھارت: ۶۰۰ روپے
یورپ، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، افریقہ: ۹۰۰ روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۲۰۰ روپے

زیرِ اہتمام: الابلاغ ٹرسٹ

کام کی ترتیب

جز ئیات سے میری مراد آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ کی قسم کے مسائل نہیں ہیں۔ ان مسائلِ اجتہادیہ میں تو ہمیشہ ہمیں رواداری ہی کا مسلک اختیار کرنا پڑے گا' اس لیے کہ ان کے دونوں پہلوؤں کے لیے دین میں گنجایش ہے۔ میں یہاں ان جز ئیاتِ امور سے غضِ بصر کا مشورہ دے رہا ہوں جن کے لیے دین میں کوئی گنجایش نہیں ہے لیکن خدمت دین کی مصلحت مقتضی ہے کہ اپنی دعوت کے اس مرحلے میں ہم ان سے بھی چشم پوشی کریں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم شاخوں کے تراشنے میں اپنا سارا وقت برباد کردیں گے اور فتنوں کی جڑوں کی طرف توجہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ ہمارا کام صحیح طور پر جب ہی ہوسکتا ہے کہ توحید اور رسالت اور معاد [آخرت] کے پورے پورے متعلقات اچھی طرح عوام کو سمجھا دیے جائیں۔ یہ لمبا راستہ طے کرلینے کے بعد لوگ جزیِ امور میں راہِ حق کو پا سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ خود محسوس کرنے لگیں گے کہ فلاں کام جو ہم کرتے ہیں وہ ہمارے عقیدۂ توحید کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا' فلاں رسم جو رائج ہے ہمارے تصورِ رسالت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی' اور فلاں عادت جو فروغ پائے ہوئے ہے ہمارے تصورِ معاد کے مطابق نہیں ہے۔ بہرحال ان جزیِ امور میں کسی گروہ کو سخت سست کہنا یا کسی سے مقاطعہ کرنا ہمارے کام کے لیے قطعاً مضر ہے۔ حتی الوسع ان معاملات میں چشم پوشی کیجیے...

اصلاح کے کام میں ترتیب یہ ہونی چاہیے کہ پہلے کسی اصل کے قریب ترین مقتضیات پیش کیے جائیں' پھر اس سے بعید' پھر اس سے بعید تر۔ مثلاً توحید کے متعلقات میں سے سب سے پہلے وہ چیزیں لینی چاہییں جن پر عموماً سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ پھر آگے چل کر ان خفی [پیچیدہ] امور کی وضاحت کیجیے جو اوّلیاتِ توحید سے مستنبط ہوتی ہیں۔ پھر اور آگے چلیے اور ان آخری مقتضیاتِ توحید کی طرف رہبری کیجیے جن سے عوام کی توجہ تو بالکل ہی ہٹ چکی ہے اور علما بھی کسی نہ کسی حد تک ان کے عملی مقتضیات سے غافل ہیں۔ (''روداد اجتماع دارالاسلام''، امین احسن اصلاحی' ترجمان القرآن' جلد ۲۴' عدد ۳-۴' ربیع الاول و ربیع الآخر ۱۳۶۳ھ' مارچ' اپریل ۱۹۴۴ء' ص ۴۰-۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان کو درپیش حقیقی خطرات

قاضی حسین احمد

پاکستان کے مستقبل کا منظر اس وقت دھندلا گیا جب ستمبر ۲۰۰۱ء کی ایک رات جنرل پرویز مشرف نے امریکی صدر بش کو یقین دہانی کرادی کہ پاکستان، انٹیلی جنس، لاجسٹک سپورٹ اور فضائی حدود کے آزادانہ استعمال کے ذریعے افغانستان کی طالبان حکومت کے خلاف امریکی جارحیت کے ساتھ ہے۔ پرویز مشرف نے اس طرح امریکا کا فرنٹ لائن حلیف بننے کا اعلان کر دیا اور اس کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح انھوں نے پاکستان کو بچالیا اور ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگایا۔

ان سے سوال کیا گیا کہ اگر کل کشمیر کے مجاہدین کی حمایت ترک کرنے کے لیے اسی طرح کی دھمکی کا سامنا کرنا پڑے تو ان کا ردعمل کیا ہوگا تو انھوں نے کہا کہ ''کشمیر ہمارا خون ہے۔ ہم کسی طرح بھی کشمیری مجاہدین کی حمایت سے دست کش نہیں ہوں گے''۔ لیکن جو یوٹرن (u-turn) افغانستان پر امریکی حملے کے وقت لیا گیا تھا' اس کے نتیجے کے طور پر حکومت پاکستان کشمیری مجاہدین کی جدوجہد کو بھی بالآخر ''سرحد پار دہشت گردی'' تسلیم کرنے پر مجبور ہوئی اور اب عملاً حکومت کشمیری مجاہدین کی حمایت سے دستبردار ہوگئی ہے۔ اس یوٹرن یا قلابازی کے نتیجے ہی میں اب حکومت پاکستان نے اپنے سائنس دانوں کی تذلیل کی ہے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب کچھ پاکستان کے ''بہترین مفاد'' اور ''سب سے پہلے پاکستان'' کے حوالے سے کیا جا رہا ہے۔ جنرل پرویز مشرف صاحب نے پارلیمنٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے چار خطرات کی نشان دہی کی تھی:

۱- پاکستان پر الزام ہے کہ وہ افغانستان میں اتحادی فوجوں کی مزاحمت کرنے والوں یا القاعدہ کو پناہ دے رہا ہے۔

۲- پاکستان ایران' لیبیا اور شمالی کوریا کو ایٹمی ٹکنالوجی کے پھیلاؤ کا ذمہ دار ہے۔

۳- پاکستان' بھارت اور مقبوضہ کشمیر میں سرحد پار دہشت گردی کا مرتکب ہے۔

۴- پاکستانی معاشرہ ایک انتہا پسند مذہبی معاشرہ ہے۔

جنرل پرویز مشرف اپنی پالیسیوں کے ذریعے دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ پاکستان افغانستان میں اتحادی فوجوں کا حلیف اور پشتی بان ہے' اور یہ باور کرانے کے لیے وہ ان تمام عناصر کے خلاف فوجی آپریشن کرنے کے لیے تیار ہے جن پر افغانستان میں مزاحمت کی حمایت کا الزام ہے۔ ان میں وزیرستان اور مہمند کے قبائل اور پاکستان میں واقع دینی مدارس بھی شامل ہیں۔ اس طرح پرویز مشرف صاحب امریکا اور اس کے اتحادیوں کے محض ایک مبہم الزام کو رفع کرنے کی خاطر پاکستان کی فوج کو مغربی سرحد پر آباد قبائل اور پاکستان کے محب اسلام اور محب وطن عوام سے لڑانا چاہتے ہیں۔ اس سے امریکا کا الزام تو رفع نہیں ہوگا لیکن پاکستان کے اندر انتشار پھیل جائے گا اور فوج اپنے فطری حلیفوں کی حریف بن جائے گی۔ یہ دشمن کا کھیل ہے جو پاکستان کی فوج کو عوام' قبائل اور دینی جماعتوں کی تائید سے محروم کر کے اس کے عزم و حوصلے اور مورال کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔

ایٹمی ٹکنالوجی کی منتقلی کے بارے میں مبینہ طور پر حکومت پاکستان کو امریکی' برطانوی جاسوسی اداروں اور انٹرنیشنل اٹامک انرجی اتھارٹی (IAEA) نے ثبوت فراہم کیے ہیں کہ لیبیا' ایران اور شمالی کوریا کو ایٹمی ٹکنالوجی کی منتقلی میں پاکستان کا ہاتھ ہے۔ افغانستان پر حملہ کرتے وقت بھی امریکا نے الزام لگایا تھا کہ نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور واشنگٹن کے پینٹا گان کے حملوں میں افغانستان کی طالبان حکومت کا ہاتھ ہے۔ اسی طرح عراق پر حملے سے قبل امریکا کا

دعویٰ تھا کہ اس کے پاس ثبوت ہے کہ عراق کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار ہیں۔ لیکن عراق کا چپہ چپہ چھان مارنے کے باوجود آج تک عراق میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے کیمیائی ہتھیاروں یا ایٹمی ہتھیاروں کا کوئی سراغ نہیں مل سکا جس کی وجہ سے برطانوی حکومت اس وقت شدید تنقید کا سامنا کر رہی ہے، اور برطانوی وزیراعظم مسٹر ٹونی بلیر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اگر ان کو یقین ہوتا کہ عراق میں تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود نہیں ہیں تو وہ عراق پر حملے کی حمایت نہ کرتے۔ خود صدر بش کو اس سلسلے میں غلط بیانی کرنے اور قوم اور کانگریس کو گمراہ کرنے کے الزام سے سابقہ درپیش ہے۔

جارحانہ عزائم رکھنے والی استعماری طاقتیں کمزور اقوام کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرنے سے پہلے ہمیشہ اُلٹے سیدھے بہانے تراشتی ہیں۔ پاکستان کے حکمران، بالخصوص پرویز مشرف صاحب، اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ایٹمی ٹکنالوجی کی منتقلی کو حکومتِ پاکستان اور افواجِ پاکستان کی بجاے چند سائنس دانوں کی ذاتی حرص کا نتیجہ قرار دے کر بین الاقوامی نظروں میں سرخرو ہو جائیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اسی کے نتیجے میں خود پاکستان کے انگریزی پریس میں افواجِ پاکستان اور حکومتِ پاکستان کے خلاف مہم شروع ہوگئی ہے اور یہ برملا کہا جا رہا ہے کہ سائنس دانوں کے لیے تنہا یہ کام کرنا ممکن نہیں تھا، اور اگر محض سائنس دانوں نے یہ کام کیا ہے تو یہ پاکستان اور اس کے سلامتی کے نظام کی ناکامی کا ثبوت ہے۔ اس بنیاد پر خود پاکستان کو ایک غیر ذمہ دار ملک قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ایٹمی ٹکنالوجی جیسے حساس اداروں کی حفاظت کرنے کے قابل نہیں ہے۔

پاکستان کے حکمرانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ امریکا نے اسے ایٹمی طاقت کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا ہے اور وہ اسے نیوکلیئر کلب کا ممبر نہیں بنائے گا۔ اسرائیل اور بھارت کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ اسرائیل کی حفاظت امریکی خارجہ پالیسی کا بنیادی ستون ہے۔ بھارت کو امریکا نے اپنی حکمت عملیوں کا حلیف (strategic partner) قرار دیا ہے اور وہ اسے چین کی طاقت کو روکنے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ پاکستان یہ یقین دہانیاں کرا رہا ہے کہ اس کا ایٹمی ہتھیار خالصتاً دفاعی نوعیت کا ہے اور بھارت کے مقابلے کے لیے اگر اس کے پاس یہ دفاعی ہتھیار موجود نہ ہو تو

طاقت کا توازن بگڑ جائے گا اور جنوبی ایشیا کا امن برقرار نہیں رہے گا۔ اس کے باوجود امریکا اور مغربی طاقتیں اسے ''اسلامی بم'' قرار دے کر کہہ رہی ہیں کہ یہ اسرائیل کے سر پر منڈلانے والا ایک مستقل خطرہ ہے۔ کولن پاول نے واضح اعلان کیا ہے کہ وہ اسرائیل کو ہر طرح کے خطرات سے آزاد اور بے فکر کرنے کا پابند ہے۔

پاکستان کی حکومت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے پوری دنیا کے سامنے ایٹمی ٹکنالوجی کی منتقلی کے ''جرم'' کا ''اعتراف'' کروا کر خود پاکستان کے خلاف ناقابلِ تردید شہادت فراہم کی ہے۔ امریکا کو جب بھی افغانستان سے فراغت ملے گی اور اسے پاکستان کی حمایت کی ضرورت نہیں ہوگی، تو وہ اسی شہادت کو بنیاد بنائے گا اور پاکستانی فوج اور پاکستانی حکومت کو ایٹمی ٹکنالوجی کی منتقلی میں فریق ٹھیرا کر اسی بنیاد پر پاکستان کو اپنا ایٹمی پروگرام رول بیک کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کرے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کے بعد بھی ہم امریکا کے حلیف رہیں گے؟ کیا ہم امریکا کے اس طرح کے مطالبے کے سامنے بھی ''سب سے پہلے پاکستان'' کا جواز پیش کر کے سرِتسلیم خم کر دیں گے؟ اس وقت حکمرانوں سے فوری طور پر اس بنیادی سوال کا جواب طلب کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ سوال کسی مفروضے پر مبنی نہیں ہے۔ یہ سوال ایک عملی صورت حال سے اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ کیا ہم امریکا، بھارت، اسرائیل گٹھ جوڑ کے سامنے واقعی بے بس ہیں؟ یا ہم نے اپنی آزادی اور خودمختاری کی حفاظت کرنے کے لیے کوئی متبادل راستہ سوچ رکھا ہے؟ ہمارے حکمرانوں نے کئی بار کہا ہے کہ ہم کشمیر اور ایٹمی پروگرام پر کوئی سودے بازی نہیں کریں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیوکلیئر طاقت کے طور پر پاکستان کو اپنی خودمختاری اور آزادی سے محروم کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن جو راستہ سائنس دانوں کی تذلیل کر کے ہم نے اختیار کیا ہے، یہ ایٹمی ہتھیاروں کی حفاظت کا راستہ نہیں ہے بلکہ ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرنے کا راستہ ہے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان بات چیت کا آغاز ہو چکا ہے۔ پاکستان کی کوشش ہوگی کہ کشمیر کے مسئلے کو مرکزی نکتے کے طور پر لیا جائے کیونکہ پاکستان اور بھارت کے درمیان معمول کے تعلقات بحال ہونے میں یہی سدراہ ہے۔ دوسرے نکات میں سیاچین، وولر بیراج،

سرکریک' تجارتی تعلقات کی بحالی اور ثقافتی وفود کا تبادلہ شامل ہے۔ سیاچین' وولر بیراج' سرکریک' دریاؤں کا مسئلہ' سب مسئلۂ کشمیر کے شاخسانے ہیں۔ کشمیر پر پاکستان کا قومی موقف ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ یہ تقسیمِ ہند کے ایجنڈے کا باقی ماندہ حصہ ہے اور اس کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیریوں کی مرضی سے کیا جائے' جب کہ بھارت مصر ہے کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ ہے اور اگر کوئی مسئلہ ہے تو صرف اتنا ہے کہ اس کے ایک حصے پر پاکستان کا قبضہ ہے۔ اب تک کا تجربہ تو یہی ہے کہ جب بھی پاکستان اور بھارتی وفود آمنے سامنے بیٹھے ہیں' پاکستانی وفد نے تو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ پوری تیاری کر کے کشمیر کے مسئلے کو سنجیدگی سے حل کرنے کے لیے تجاویز فراہم کی ہیں' لیکن بھارتی وفود نے انتہائی غیرسنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اٹوٹ انگ والے موقف ہی کو دہرایا ہے۔

جنوری ۲۰۰۴ء میں سارک کانفرنس' اسلام آباد کے موقع پر دونوں ممالک کے ذرائع ابلاغ اور حکومتوں نے کشمیر کے مسئلے پر ''جمود ٹوٹنے'' کی جو فضا پیدا کی ہے' بظاہر اس میں کامیابی کے امکانات نظر نہیں آئے۔ حکومت پاکستان نے اپوزیشن کو اپنی خوش فہمی کی وجوہ کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔ دونوں ممالک کے درمیان اچھے تعلقات کے قیام میں اصل رکاوٹ مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل سے بھارت کا انکار ہے۔ اگر بین الاقوامی دباؤ کے تحت اس بنیادی مسئلے کو نظرانداز کر کے باہمی اعتماد بحال کرنے کے بہانے دوسرے امور کو اولیت دی جائے گی تو اسے قومی مفادات اور مصلحتوں کے خلاف اور کشمیریوں سے بے وفائی قرار دیا جائے گا۔ جب تک کشمیر کے مسئلے کا منصفانہ حل تلاش نہیں کیا جاتا' اس وقت تک مظفرآباد' سری نگر روڈ کھولنا اور اس پر بس چلانا کنٹرول لائن کو بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کرنا ہے' اور کشمیر کے مستقل تقسیم اور مسلم اکثریت کے ایک بڑے اور خوب صورت علاقے اور پورے پاکستان کی شہ رگ کو بھارت کے حوالے کرنے کے مترادف ہے۔ کشمیر کے مسئلے کا یہ ''حل'' نہ کشمیریوں کو قبول ہے' نہ پاکستانیوں کو' اور نہ اس طرح مسئلہ حل ہی ہو سکے گا۔ نہ امن قائم ہوگا' نہ تعلقات بحال ہوں گے' البتہ حکومت پاکستان ایک بار پھر اپنی کوتاہ اندیشی' بے ہمتی اور بودے پن کا ثبوت فراہم کرے گی۔ یہ امریکا کے اور بھارت کے سامنے بھی اپنی بے بسی کا مظاہرہ ہوگا اور اس کے بعد پاکستانی

فوج اپنے موجودہ حجم کا جواز ہی کھو دے گی۔

ہمیں اندیشہ ہے کہ دنیا کو یہ باور کرانے کے لیے کہ ''پاکستان انتہاپسند مذہبی معاشرہ نہیں ہے'' پرویز مشرف حکومت کہیں پاکستان کے بنیادی نظریہ اسلام ہی سے دست بردار نہ ہو جائے۔ حال ہی میں انھوں نے حدود قوانین پر نظرثانی کرنے کی ضرورت پر اظہار خیال کیا ہے۔ پاکستان میں عورت کے مقام کے حوالے سے جو کمیشن بنا ہے' اس میں ایسے لوگوں کو شامل کیا گیا ہے جو مسلمہ اسلامی قوانین کو متنازعہ بنانے کی شہرت رکھتے ہیں۔ پرویز مشرف نے اپنی ترقی پسندی اور ماڈرن ازم کے اظہار کے لیے پارلیمنٹ میں ۲۰ فی صد نشستیں خواتین کے لیے مخصوص کر دی ہیں اور ہماری دیہی کونسلوں میں بھی خواتین کی نمایندگی کو لازمی قرار دیا ہے۔

اسی طرح اقلیتوں کو نہ صرف مخلوط انتخاب کے ذریعے عمومی نمایندوں کے انتخاب پر اثرانداز ہونے کا موقع دیا ہے بلکہ ساتھ ہی دہری نمایندگی کے طور پر مخصوص نشستوں پر اسمبلیوں میں ان کی موجودگی کو بھی یقینی بنا دیا ہے۔ یہ عمل خود مغرب کے مسلمہ معروف جمہوری اصولوں کے منافی ہے۔ دنیا کے کسی بھی جمہوری ملک (امریکا' برطانیہ' فرانس وغیرہ) میں اس کی مثال موجود نہیں ہے۔ امریکا میں تقریباً ۷۰ لاکھ مسلمان بستے ہیں لیکن ان کی کانگریس میں ایک بھی مسلمان ممبر نہیں ہے۔ فرانس میں مسلمانوں کی تعداد وہاں کی کل آبادی کا تقریباً ۶ فی صد ہے لیکن ان کی پارلیمنٹ میں کوئی مسلمان موجود نہیں ہے' جب کہ پاکستان میں ۳ فی صد اقلیتوں میں سے ہر ایک اقلیت کو قومی اسمبلی میں نمایندگی کا حق دیا گیا ہے اور ساتھ ہی جداگانہ طرز انتخاب کو منسوخ کر کے مخلوط طرز انتخاب بھی رائج کر دیا گیا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود بین الاقوامی طور پر مغرب میں پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ برے سلوک کا واویلا کیا جا رہا ہے' اور اس کے لیے قرآنی حدود کے قوانین اور توہین رسالتؐ کے قانون کے تحت عورتوں اور اقلیتوں کے ساتھ ناروا سلوک کا جھوٹا پروپیگنڈا زوروں پر ہے۔

پرویز مشرف صاحب کا معذرت خواہانہ رویہ مغرب کو یہ باور کرانے میں ناکام رہا ہے کہ پاکستانی معاشرہ اعتدال پسند ہے۔ دراصل مغربی میڈیا نے بدنیتی کی بنا پر حقائق کو نظرانداز کر کے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا ہے کہ ہم انتہاپسند ہیں (اسلام کا تو بنیادی مزاج ہی اعتدال و توازن کا ہے)۔

ارسطو اور افلاطون جیسے فلسفیوں نے غلام کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ غلام وہ ہوتا ہے جو اپنے لیے سوچنے اور عمل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ انھوں نے یہ بات شاید اس لیے کہی تھی کہ غلام خود تو فکروعمل کی صلاحیت سے محروم ہیں' اس لیے اب یہ آزاد لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ غلاموں کے لیے سوچیں اور منصوبہ بندی کریں۔ مگر وقت گذرنے کے ساتھ' آزاد لوگوں کی یہ ذمہ داری' سفید فام لوگوں کی ذمہ دار بن گئی اور اب نئے عالمی نظام کے تحت یہ ''ذمہ داری'' امریکا کو منتقل ہوگئی ہے۔ شاید اسی لیے مسلمان ممالک کے حکمران امریکی آقاؤں کے اشاروں پر چلتے ہیں کہ اس طرح انھیں مزید برسرِ اقتدار رہنے اور اپنی قوموں کا استحصال کرنے کے لیے کچھ مزید مہلت مل جائے گی۔

امریکا کی علانیہ پالیسی ہے کہ اسے کسی ملک میں مداخلت کرنے کے لیے کسی سے پوچھنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ وہ کسی ملک سے بزعم خویش کوئی خطرہ محسوس کرے تو اس خطرے سے محفوظ ہونے اور اس کا سدباب کرنے کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر حملہ (pre-emptive strike) کرسکتا ہے' اور اس طرح کرنے کے لیے اسے اقوامِ متحدہ یا کسی دوسرے ادارے سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اصل میں سرکش ریاست (rougue state) کی صحیح تعریف یہی ہے کہ وہ ہرطرح کے بین الاقوامی ضابطوں کی پابندی سے آزاد ہوتی ہے۔ اس تعریف کے مطابق آج صرف امریکا ہی ایک حقیقی سرکش ریاست ہے۔ افغانستان اور عراق پر جارحانہ قبضہ کرنے کے بعد اب اس نے ایران کو بھی مارچ کے آخر تک اپنے ایٹمی پروگرام کو کلیتاً ختم کرنے کا نوٹس دے دیا ہے۔ اس کے جواب میں ایرانی وزیرخارجہ نے کہا ہے کہ ایران ایٹم بم بنانے کا ارادہ نہیں رکھتا لیکن اس کے پاس ایٹمی ایندھن بنانے کی صلاحیت موجود ہے اور وہ نہ صرف اس صلاحیت کو برقرار رکھے گا بلکہ بین الاقوامی منڈی میں ایٹمی ایندھن کو فروخت بھی کرے گا۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایٹمی پروگرام ایران کے لیے ایک اعزاز اور باعث افتخار ہے اور کوئی بھی ملک اپنے اعزاز اور اپنے مفاد اور مصلحت سے دستبردار نہیں ہوتا۔

ایرانی وزیرخارجہ کے اس بیان کے بعد ہمارے سامنے مستقبل کا خطرناک نقشہ بالکل واضح ہے۔ ایک اہم سوال تو یہ ہے کہ اگر امریکا پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے قبل ایران میں

مداخلت کرنے کا ارادہ ظاہر کرے تو پاکستان کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ بلند کر کے افغانستان کی طرح اپنے اس مسلمان پڑوسی کے خلاف بھی فرنٹ لائن اسٹیٹ بننے کے لیے تیار ہوگا؟ (اور پھر اپنی باری کا انتظار کرے گا)' یا آنے والے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایران سمیت خطے کے دوسرے ممالک کے ساتھ مل کر باہمی دفاع کا کوئی اہتمام کرے گا؟ امریکا نے چین پر بھی ایٹمی ٹکنالوجی کی منتقلی کا الزام عائد کر کے پاکستان' ایران اور چین میں تعاون کا راستہ پیدا کر دیا ہے۔

بڑھتے ہوئے امریکی استعمار سے انسانیت کو بچانے کے لیے تیاری کرنے اور سوچ بچار کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ نئے راستوں کی تلاش' ملکی دفاع اور سلامتی کی خاطر تمام سیاسی قوتوں کو مفاہمت کی دعوت دے اور انتقامی رویے چھوڑ کر (تمام سیاسی رہنماؤں سمیت) وسیع تر مشاورت کا اہتمام کرے' تاکہ باہمی اعتماد و مفاہمت کے ذریعے بڑے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے تدابیر سوچی جاسکیں۔

سترھویں ترمیمی بل کے پاس ہونے پر یہ پروپیگنڈا مہم شروع کر دی گئی ہے کہ متحدہ مجلس عمل کا حکمرانوں کے ساتھ سمجھوتا ہوگیا ہے اور مجلس عمل نے وردی میں صدر کو قبول کر کے فوجی مداخلت کو آئینی جواز فراہم کر دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مجلس عمل نے سترھواں ترمیمی بل پاس کیا ہے' ایل ایف او کو آئین کا حصہ تسلیم نہیں کیا۔

جنرل پرویز مشرف اور ان کے ہم نواؤں کا ابتدا سے یہ دعویٰ تھا کہ سپریم کورٹ نے پرویز مشرف کو آئین میں ترمیم کا حق دیا ہے' اس لیے انھوں نے ایل ایف او کی صورت میں آئین میں جو ترامیم کی ہیں' وہ آئین کا حصہ بن گئی ہیں اور پارلیمنٹ سے انھیں منظور کرانا کوئی آئینی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے ان کا یہ موقف تسلیم نہیں کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ صرف وہی ترامیم آئین کا حصہ متصور ہوں گی جو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی دوتہائی اکثریت سے پاس ہوجائیں گی۔ وزیراعظم ہاؤس میں تمام پارٹیوں کے سربراہوں کے اجلاس میں (جس میں

اپوزیشن پارٹیوں کے سربراہ بشمول اے آر ڈی بھی شریک تھے) ایل ایف او کے سات متنازعہ نکات کی نشان دہی کی گئی:

۱- ایل ایف او آئین کا حصہ نہیں ہے۔

۲- ریفرنڈم کے ذریعے صدر کا انتخاب آئینی نہیں ہے۔

۳- آئینی دفعات کو معطل کر کے ایل ایف او کے ذریعے چیف آف آرمی سٹاف اور صدر کے عہدے کو یکجا کرنے کی گنجایش نکالی گئی ہے۔ یہ غیر آئینی بات ہے۔ آئین کی متعلقہ دفعات کا بحال ہونا آئین کی بحالی کا لازمی تقاضا ہے۔

۴- ججوں کی ریٹائرمنٹ کی عمر میں توسیع ناقابلِ قبول ہے۔

۵- بلدیاتی انتخاب اور پولیس آرڈر ۲۰۰۲ء صوبائی دائرہ کار ہے، اسے واپس صوبوں کے حوالے کر دیا جائے۔

۶- قومی سلامتی کونسل کے ادارے کو آئین سے نکال دیا جائے۔

۷- ۵۸-۲، بی کے تحت صدر کو اسمبلیاں توڑنے کا غیر مشروط اختیار نہیں ہونا چاہیے۔

تقریباً چار ماہ تک مذاکرات ہوتے رہے۔ ان مذاکرات میں آخری دو تین نشستوں کے علاوہ اے آر ڈی کی جماعتوں نے بھی پوری دل چسپی سے حصہ لیا اور جو سمجھوتہ ہوا ہے، بڑی حد تک ان کے مندوبین کو بھی اس سے اتفاق تھا۔ ہم نے اپنے سمجھوتے کے نکات کسی مرحلے پر بھی چھپا کر نہیں رکھے اور مذاکرات کی نشستوں کے بعد پارلیمنٹ میں اپوزیشن کے تمام ممبران کو باقاعدہ باخبر کرتے رہے اور پریس کے سامنے بھی اپنا موقف واضح کرتے رہے۔

چنانچہ سترھویں آئینی ترمیم کے ذریعے ہم نے بڑی حد تک حکومت سے اپنا موقف منوا لیا ہے اور اس سال کے آخر تک جب جنرل پرویز مشرف چیف آف آرمی سٹاف نہیں رہیں گے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ فوج کا عمل دخل سیاست میں باقی نہیں رہا۔ کچھ لوگ یہ شبہہ ظاہر کر رہے ہیں کہ جنرل پرویز مشرف آئینی تقاضے کو پورا نہیں کریں گے اور آئین کو نظرانداز کر کے دونوں عہدوں پر بدستور براجمان رہیں گے، لیکن اگر پرویز مشرف یہ کرنے کی کوشش کریں گے، تو یہ ایک نیا مارشل لا ہوگا اور نئے مارشل لا کی صورت میں پرویز مشرف کو

خود دست بردار ہونا پڑے گا۔ اس کا امکان اس لیے بھی نہیں ہے کہ فوج پہلے ہی کافی بدنام ہو چکی ہے' اور ماضی میں فوج کی مداخلت اس مرحلے پر ہوئی ہے جب سیاست دان اپنی ناقص کارکردگی کی بنا پر لوگوں کی نظروں سے گر گئے اور لوگ خود فوج کی مداخلت کا مطالبہ کرنے لگے۔

اس وقت صورت حال برعکس ہے۔ فوج کی مداخلت سے لوگ تنگ آ چکے ہیں اور ان کی واپسی کا پرزور مطالبہ کر رہے ہیں۔ اب جوں جوں وقت گزر رہا ہے' یہ بات لوگوں کے سامنے کھل کر آ رہی ہے کہ داخلی اور خارجہ پالیسی پر رائے کے لحاظ سے ملک میں اصل حزبِ اختلاف متحدہ مجلس عمل ہی ہے جس کا اختلاف' نہ ذاتیات پر مبنی ہے' نہ اقتدار کے حصول تک محدود ہے' اور نہ کسی کی جلاوطنی یا عدالتی مقدمات کی بنا پر ہی ہے بلکہ اصولی طور پر حکومت کی داخلی اور خارجہ پالیسیوں سے بنیادی اختلاف کی بنا پر ہے۔ یہ اختلاف رفتہ رفتہ لوگوں پر واضح ہو رہا ہے اور مخالفانہ جھوٹے پروپیگنڈے کی قلعی کھل رہی ہے۔

نہ جھکو، نہ دبو!

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (محمد ۴۷:۳۵)

پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست نہ کرو، تم ہی غالب رہنے والے ہو اللہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

سَلْم کے معنی صلح اور سمجھوتے کے ہیں۔ اوپر آیات ۲۲، ۲۳ کے تحت ہم ذکر کر آئے ہیں کہ منافقین چونکہ جنگ کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے صلح اور سمجھوتے کی باتیں بہت کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو بھی مشورہ دیتے کہ جنگ کے بجائے صلح سے معاملات طے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہی دعوت وہ قریش کو بھی دیتے۔ وہ اپنے آپ کو ایک صلح پسند پارٹی کی حیثیت سے پیش کرتے اور لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ یہی پالیسی اختیار کرنے میں اس ملک کی خیر ہے ورنہ یہاں بھائیوں کا خون بھائیوں کے ہاتھوں بہے گا اور پوری قوم کا شیرازہ ابتر ہو جائے گا۔ ان کی یہ پالیسی مبنی تو تھی تمام تر ان کی بزدلی اور مفاد پرستی پر، لیکن وہ اس کی دعوت صلح پسندی اور امن دوستی کے روپ میں دیتے اور ان لوگوں کو متاثر کر لیتے جن کے اندر نفاق کے جراثیم ہوتے۔ اس آیت میں ان کی اسی کمزوری سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ تم بزدل ہو کر صلح اور سمجھوتے کے داعی نہ بنو بلکہ عزم و ایمان کے ساتھ جہاد کے لیے اٹھو۔ اگر تم سچے ایمان کے ساتھ جہاد کے لیے اٹھو گے تو تمھی سربلند رہو گے اور تمھارے دشمن ذلیل و خوار ہوں گے۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے اور جب اللہ تمھارے ساتھ ہے تو اس کی مدد و نصرت ہر قدم پر تمھارے ساتھ ہوگی اور یہ

اطمینان رکھو کہ اللہ تمھارے اعمال کے صلے کے معاملے میں کوئی خلاف وعدگی و بے وفائی ہرگز نہیں کرے گا' بلکہ تمھارے ہر عمل کا' خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' بھرپور صلہ دے گا۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ، میں عربیت کا وہی اسلوب ہے جو البقرہ کی آیت ۴۲' وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ، کے تحت زیر بحث آ چکا ہے۔ جہاں معطوف اور معطوف علیہ دونوں میں ایک ہی حقیقت ظاہر کی گئی ہو وہاں لائے نھی کے اعادے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی صورت' آیت زیر بحث میں بھی ہے۔ ان منافقین کی یہ دعوتِ صلح چونکہ ان کی بزدلی ہی کا نتیجہ تھی' اس وجہ سے تَدْعُوْا کو فَلَا تَهِنُوْا پر عطف کر دیا اور لَا کو حذف کر دیا تاکہ اسلوبِ کلام ہی سے یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ دعوتِ صلح اس لیے نہیں دے رہے ہو کہ تم بڑے صلح پسند ہو بلکہ یہ محض اپنی بزدلی پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام سعی ہے۔

وَتَرَهٗ حَقَّهٗ کے معنی ہوں گے اس نے اس کے حق میں خیانت یا کمی کی۔ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ کے معنی ہوں گے کہ اللہ سے یہ اندیشہ نہ رکھو کہ وہ تمھارے اعمال کے صلے کے باب میں تمھارے ساتھ کوئی بے وفائی یا خیانت کرے گا بلکہ وہ بھرپور صلہ دے گا۔ جب ہر عمل کا بھرپور صلہ ملنے والا ہے تو اس کی راہ میں قربانی سے جی چرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (تدبر قرآن' ج ۶' ص ۴۲۴ - ۴۲۵)

سید قطب شہیدؒ

اُس وقت مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو جہاد کی مسلسل مشقتوں کو ایک بھاری حکم سمجھتے تھے اور ان کے عزم میں کمزوری تھی۔ یہ لوگ امن و عافیت چاہتے تھے تاکہ جنگ کی مشقتوں سے بچے رہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض کی مشرکین کے ساتھ رشتہ داریاں بھی ہوں' یا ان کے ساتھ مالی معاملات میں شراکت ہو' اس زاویے سے یہ لوگ امن اور صلح کو پسند کرتے ہوں' کیونکہ انسان ہمیشہ انسان رہا ہے اور قرآن کریم ان بشری اور فطری کمزوریوں کا علاج اپنے انداز سے کر رہا ہے۔ قرآن مجید نے اس طرح جو تربیت جاری رکھی تو اس کے نتیجے میں دورِ اول میں ایک مخلص گروہ تیار ہو گیا۔ لیکن ان ثمربار کوششوں اور کامیابیوں

کے باوجود اس بات کی نفی نہیں کی جاسکتی کہ جماعت مسلمہ کی صفوں میں کمزور لوگ موجود ہوں' خصوصاً ابتدائی مدنی دور میں۔ چنانچہ اس آیت میں بعض ایسی ہی کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن کریم کس طرح لوگوں کی تربیت کرتا تھا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ قرآنی انداز کے مطابق دورجدید کے لوگوں کی تربیت کریں۔

> پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست نہ کرو' تم ہی غالب رہنے والے ہو۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے' اور تمھارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

تم چونکہ غالب ہو اس لیے صلح کی درخواست نہ کرو۔ تم اعتقاد اور تصورِ حیات کے اعتبار سے بلند ہو۔ تم خدا سے تعلق کے زاویے سے بھی بلند ہو۔ تمھارا آقا بلند ہے' نظامِ زندگی' مقاصدزندگی اور مقصودِ زندگی کے اعتبار سے بھی تم بلند ہو۔ شعور' اخلاق اور طرزِ عمل کے اعتبار سے بھی تم بلند ہو۔ قوت' مرتبے اور ذریعۂ نصرت کے اعتبار سے بھی تم بلند ہو۔ تمھاری پشت پر بہت بڑی قوت ہے۔ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ' تمھارے ساتھ تو اللہ ہے۔ تم اکیلے تو نہیں ہو' تم ایک نہایت ہی بلند اور جبار ہستی' خدائے برحق کے زیرتربیت ہو جو قادرِ مطلق ہے۔ وہ تمھارا مددگار ہے اور ہر وقت حاضروناظر ہے اور تمھارے ساتھ ہے۔ وہ تمھاری مدافعت کرتا ہے۔ تمھارے دشمنوں کی حیثیت ہی کیا ہے' جب کہ تمھارے ساتھ اللہ ہے۔ تم جو کچھ خرچ کرتے ہو' اور جو جدوجہد کرتے ہو' اور تمھیں جو مشقتیں پہنچتی ہیں' ان کا حساب رکھا جا رہا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ضائع نہیں ہوگی...... نیز کمزوری دکھانے اور صلح چاہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اعلیٰ ہو' وہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارا معمولی سے معمولی عمل بھی ضائع نہ ہوگا۔ لہٰذا تم مکرم' ماجور اور منصور ہو۔ (فی ظلال القرآن' ترجمہ: سید معروف شاہ شیرازی' ج ۵' ص ۱۱۶۶)

مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ

فَلَا تَهِنُوْا سے مراد یہ ہے کہ پست ہمتی کے مقتضی پر عمل نہ کرو' اور مایوسی کے خیال کو اپنے عمل پر غالب نہ آنے دو۔ ورنہ اعدا کی کثرتِ تعداد اور ساز وسامان اور اپنی قلتِ تعداد اور

بے سروسامانی دیکھ کر طبیعت میں کمزوری اور پستی پیدا ہو جانا تو ایک امرِ طبیعی ہے۔ ممانعت صرف اس کے مقتضا پر عمل کی ہے۔ وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ، یعنی تمھیں کافروں کے مقابلے میں ہمت ہار کے اور اُن سے دب کر خواہشِ صلح کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ تم اللہ کے محبوب ہو۔ کفار اس کے مبغوض ہیں۔ فقہاء مفسرین نے تصریح کر دی ہے کہ جس دعوتِ صلح کی یہاں ممانعت ہے وہ وہی ہے جو ضعف ہمت کی بنا پر کی جائے ورنہ نفس دعوتِ صلح' جب کہ وہ کسی مصلحت اُمت پر مبنی ہو' ہرگز ممنوع نہیں۔ (تفسیر ماجدی ' ص ۱۰۱۹)

مفتی محمد شفیعؒ

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ، اس آیت میں کفار کو صلح کی دعوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال ۸:۶۱) یعنی اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جایئے جس سے صلح کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے فرمایا کہ اجازت والی آیت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کفار کی طرف سے صلح جوئی کی ابتدا ہو' اور اس آیت میں جس کو منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے صلح کی درخواست کی جائے۔ اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ابتداً صلح کر لینا بھی جائز ہے' جب کہ مصلحت مسلمانوں کی اس میں دیکھی جائے۔ محض بزدلی اور عیش کوشی اس کا سبب نہ ہو اور اس آیت نے شروع میں فَلَا تَهِنُوْا کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ممنوع وہ صلح ہے جس کا منشا بزدلی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے فرار ہو۔ اس لیے اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ کی آیت کے حکم کو اُس صورت کے ساتھ مقید کیا جائے جس میں صلح جوئی کا سبب وَہن اور سستی و بزدلی نہ ہو بلکہ خود مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو۔ واللّٰہ اعلم۔ (معارف القرآن ' ج ۸' ص ۴۹)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

یہاں یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہ ارشاد اُس زمانے میں فرمایا گیا ہے جب صرف

مدینے کی چھوٹی سی بستی میں چند سو مہاجرین و انصار کی ایک مٹھی بھر جمعیت اسلام کی علم برداری کر رہی تھی اور اس کا مقابلہ محض قریش کے طاقت ور قبیلے ہی سے نہیں بلکہ پورے ملک عرب کے کفار و مشرکین سے تھا۔ اس حالت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمت ہار کر اِن دشمنوں سے صلح کی درخواست نہ کرنے لگو' بلکہ سردھڑ کی بازی لگا دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کبھی صلح کی بات چیت کرنی ہی نہ چاہیے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں صلح کی سلسلہ جنبانی کرنا درست نہیں ہے جب اُس کے معنی اپنی کمزوری کے اظہار کے ہوں اور اُس سے دشمن اور زیادہ دلیر ہو جائیں۔ مسلمانوں کو پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوالینا چاہیے' اس کے بعد وہ صلح کی بات چیت کریں تو مضائقہ نہیں۔ (تفہیم القرآن' ج ۵' ص ۳۰-۳۱)

امام ابن کثیرؒ

جنابِ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے مومن بندو تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار نہ کرو اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو حالانکہ قوت و طاقت میں' زور و غلبے میں' تعداد و اسباب میں تم قوی ہو۔ ہاں' جب کہ کافر قوت میں' تعداد میں' اسباب میں تم سب سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح میں ہی دیکھے تو ایسے وقت بے شک صلح کی طرف جھکنا جائز ہے' جیسے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر کیا' جب کہ مشرکین مکہ نے آپؐ کو مکہ جانے سے روکا تو آپ نے ۱۰ سال تک لڑائی بند رکھنے اور صلح قائم رکھنے پر مسالمت کر لی۔ پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت و خوش خبری سناتا ہے کہ اللہ تمھارے ساتھ ہے' اس وجہ سے نصرت و فتح تمھاری ہی ہے' تم یقین مانو کہ تمھاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمھیں عنایت فرمائے گا۔ واللّٰہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر' ج ۵' ص ۱۰۱)۔ (اخذ و ترتیب: امجد عباسی)

ایک باپ کی پکار

میرے بیٹے!
یہ تمھیں کیا ہوگیا ہے!
کیا آنکھوں پر بالکل ہی پٹی باندھ لی ہے؟
اذان کی آواز سنتے ہو اور تم سوئے بنے رہتے ہو۔

کیا بھول گئے ہو کہ جلد ہی وہ دن آئے گا---
جب تم قبر میں لیٹے ہو گے
منکر نکیر آکر تمھیں اٹھا کر بٹھا دیں گے
(پھر منظر بدلے گا)
کراماً کاتبین رجسٹر لے کر آجائیں گے
پہلی پرسش نماز کی ہوگی۔

وہاں یہ سب کچھ نہ ہوگا:
نہ گھر' نہ بستر' نہ سیر و تفریح' نہ کھانا پینا' نہ ذائقے' نہ مزے
نہ اولاد' نہ رفیقۂ حیات' نہ والدین
کوئی تمھاری مدد کو نہ آئے گا۔
میں بھی نہیں (مجھے اپنی پڑی ہوگی)
بس تم ہو گے' تمھارے اعمال اور تمھارا رب!!

ابھی وقت گیا نہیں
اپنے بچاؤ کا سامان کرلو'
میرے بیٹے' دنیا کے بیٹے نہ بنو'
آخرت کے بیٹے بنو!
اپنے رب کی طرف پلٹو!!

(خیرخواہ)

باہمی تعلقات کے سنہری اصول

مولانا اشرف علی تھانویؒ

آیاتِ قرآنی

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ (الحجرات۴۹:۱۰)

مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات۴۹:۱۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں' ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (الحجرات۴۹:۱۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔

احادیث رسولؐ

۱- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کو (بلاوجہ) بُرا بھلا کہنا بڑا گناہ ہے اور اس سے (بلاوجہ) لڑنا (قریبِ) کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص (لوگوں کے عیوب پر نظر کر کے اور اپنے آپ کو عیوب سے بری سمجھ کر بطور شکایت کے) یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے (کہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے)۔(مسلم)

۳- حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: چغل خور (قانوناً سزا بھگتنے بغیر) جنت میں نہ جائے گا۔(بخاری و مسلم)

۴- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سب سے بدتر (حالت میں) اس شخص کو پاؤ گے جو دوُرخا ہو یعنی جو ایسا ہو کہ اِن کے منہ پر ان جیسا، اُن کے منہ پر اُن جیسا۔(بخاری و مسلم)

۵- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسولؐ خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ) اپنے بھائی (مسلمان) کا ایسے طور پر ذکر کرنا کہ (اگر اس کو خبر ہو تو) اُسے ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا کہ یہ بتلایے کہ اگر میرے (اس) بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں (یعنی اگر میں سچّی برائی کرتا ہوں)، آپؐ نے فرمایا: اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تب تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تو کہتا ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔(مسلم)

۶- سفیان بن اسد حضرمیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے مسلمان بھائی سے کوئی ایسی بات کہے کہ وہ اس میں تجھ کو سچّا سمجھ رہا ہے اور تو اس میں جھوٹ کہہ رہا ہے۔(ابوداؤد)

۷- حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص

اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی گناہ سے عار دلا دے تو اس کو موت نہ آوے گی جب تک کہ خود اس گناہ کو نہ کرے گا (یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے۔ اگر کسی خاص وجہ سے وہ گناہ سرزد نہ ہو تو اور بات ہے۔ اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے کا کچھ ڈر نہیں)۔ (ترمذی)

۸- حضرت واثلہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان بھائی کی (کسی دنیوی یا دینی بری) حالت پر خوشی مت ظاہر کر، ہوسکتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمادے اور تجھ کو اُس حالت میں مبتلا کر دے۔ (ترمذی)

۹- عبدالرحمٰن بن غنمؓ اور اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندگان خدا میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلواتے ہیں۔ (احمد و بیہقی)

۱۰- حضرت ابن عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اپنے بھائی (مسلمان) سے (خواہ مخواہ) بحث نہ کیا کرو اور نہ اس سے (ایسی) دل لگی کرو (جو اس کو ناگوار ہو) اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جس کو تم پورا نہ کرو۔ (ترمذی)

۱۱- البتہ اگر کسی عذر کے سبب پورا نہ کر سکے تو معذور ہے [یعنی ناقابلِ مواخذہ]۔ چنانچہ زید بن ارقمؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس وقت پورا کرنے کی نیت تھی مگر پورا نہیں کر سکا اور اگر آنے کا وعدہ تھا اور وقت پر نہ آسکا (اس کا یہی) مطلب ہے کہ کسی عذر کے سبب ایسا ہوگیا) تو اس پر گناہ نہ ہوگا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

۱۲- عیاض مجاشعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کریں یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے، اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے (کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے)۔ (مسلم)

۱۳- حضرت جریرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم)

۱۴- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص

بیوہ اور غریبوں کے کاموں میں سعی [دوڑ دھوپ] کرے وہ (ثواب میں) اس شخص کے مثل ہے جو جہاد میں سعی کرے۔(بخاری و مسلم)

۱۵- حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کو اپنے ذمے رکھ لے خواہ وہ یتیم اس کا (کچھ لگتا) ہو اور خواہ غیر کا ہو۔ ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپؐ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی رکھا (کیونکہ نبی اور غیر نبی) میں فرق تو ضروری ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں رہنا کیا معمولی بات ہے۔(بخاری)

۱۶- نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی محبت اور باہمی شفقت میں ایسا دیکھو گے جیسے (جاندار) بدن ہوتا ہے کہ جب اس کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بدخوابی اور بیماری میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔(بخاری و مسلم)

۱۷- حضرت ابوموسیٰؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپؐ کے پاس کوئی سائل یا کوئی صاحب حاجت آتا تو آپؐ (صحابہؓ سے) فرماتے کہ تم سفارش کر دیا کرو' تم کو ثواب ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کی زبان کے ذریعے جو چاہے حکم دے (یعنی میری زبان سے وہی نکلے گا جو اللہ تعالیٰ کو دلوانا ہوگا۔ مگر تم کو مفت کا ثواب مل جائے گا اور یہ اس وقت ہے جب جس سے سفارش کی جائے اس کو گرانی [ناگوار] نہ ہو جیسا کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا)۔(بخاری و مسلم)

۱۸- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو' خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مظلوم ہونے کی صورت میں تو مدد کروں مگر ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کروں؟ آپ نے فرمایا: اس کو ظلم سے روک دو۔ تمھارا یہ عمل ہی اس ظالم کی مدد کرنا ہے۔(بخاری و مسلم)

۱۹- حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے' نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ

چھوڑے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری کرتا رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی دُور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دُور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔(بخاری و مسلم)

۲۰- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا: آدمی کے لیے یہ شر ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے (یعنی اگر کسی میں یہ عیب ہو اور شر کی کوئی اور بات نہ ہو تب بھی اس میں شر کی کمی نہیں) مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو (یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز نہ اس کے مال کا نقصان کرنا اور نہ اس کی آبرو کو کوئی صدمہ پہنچانا مثلاً اس کا عیب کھولنا، اس کی غیبت وغیرہ کرنا)۔(مسلم)

۲۱- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی بندہ اُس وقت تک (پورا) ایمان دار نہیں بنتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔(بخاری)

۲۲- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں نہ جائے گا جس کا پڑوسی اس کے خطرات سے محفوظ نہ ہو (یعنی اس سے ضرر کا اندیشہ لگا رہے)۔(مسلم)

۲۳- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے اور نیک کام کی نصیحت نہ کرے اور برے کام سے منع نہ کرے (کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ مناسب موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلا دیا کرے مگر نرمی اور تہذیب سے)۔(ترمذی)

۲۴- حضرت انسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہو اور وہ اس کی حمایت پر قادر ہو اور اس کی حمایت

کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی حمایت فرمائے گا۔ اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرمائے گا۔ (شرح السنۃ)

۲۵- حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص (کسی کا) کوئی عیب دیکھے پھر اس کو چھپالے (یعنی دوسروں پر ظاہر نہ کرے) تو وہ (ثواب میں) ایسا ہوگا جیسا کہ کسی نے زندہ درگور لڑکی کی جان بچالی (کہ قبر سے اس کو زندہ نکال لیا)۔ (احمد و ترمذی)

۲۶- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ پس اگر اس (اپنے بھائی میں) کوئی گندی بات دیکھے تو اس سے (اس طرح) صاف کر دیتا ہے کہ صرف عیب والے پر تو ظاہر کر دیتا ہے لیکن کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کرتا۔ اس طرح اس شخص کو چاہیے کہ اس کے عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کر دے' فضیحت نہ کرے۔ (ترمذی)

۲۷- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبے پر رکھو (یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبے کے مطابق برتاؤ کرو سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو۔ (ابوداؤد)

۲۸- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپؐ فرماتے تھے: وہ شخص (پورا) ایمان دار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کے برابر میں بھوکا رہے۔ (بیہقی)

۲۹- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن الفت (اور لگاؤ) کا محل (اور خانہ) ہے اور اس شخص میں خیر نہیں جو کسی سے نہ خود الفت رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے (یعنی سب سے روکھا اور الگ رہے۔ کسی سے میل جول ہی نہ ہو۔ باقی دین کی حفاظت کے لیے کسی سے تعلّق نہ رکھنا یا کم رکھنا وہ اس سے مستثنٰی ہے۔ (احمد)

۳۰- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اُمت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے صرف اس نیت سے کہ اس کو مسرور (اور خوش)

کرے' سو اس شخص نے مجھ کو مسرور کیا اور جس نے مجھ کو مسرور کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرما دے گا۔(بیہقی)

۳۱- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی پریشان حال آدمی کی مدد کرے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے ۷۳ مغفرتیں لکھے گا جن میں ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لیے (کافی) ہے اور ۷۲ مغفرتیں قیامت کے دن اس کے لیے رفع درجات کا ذریعہ بنیں گی۔(بیہقی)

۳۲- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت کوئی مسلمان اپنے بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے یا ویسے ہی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بھی پاکیزہ ہے' تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہے' تو نے جنت میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔(ترمذی)

(بہ شکریہ تعمیر حیات' لکھنؤ' جولائی ۲۰۰۲ء)

تاحیات خریدار اسکیم

ماہنامہ ترجمان القرآن کی تاحیات خریدار اسکیم کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ مدت خریداری متعین نہ ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں۔ اس لیے تاحیات خریدار اسکیم کو ختم کیا جا رہا ہے۔

اب تک جو تاحیات خریدار بنے ہیں' وہ اب ہمارے معاونِ خصوصی ہیں۔ انھیں رسالہ باقاعدگی سے ارسال کیا جائے گا۔

مینیجر' ترجمان القرآن

44

پُراعتماد شخصیت

زندگی میں کامیابی کے لیے بہت سے عوامل آپ کے مددگار ہوتے ہیں۔ اعتماد کے بغیر شخصیت مکمل نہیں ہوتی ہے۔ جتنے زیادہ آپ پُراعتماد ہوں گے زندگی کی راہوں پر آپ کی کامیابی کے اتنے ہی مواقع ہیں۔ ذیل میں چند اصول دیے جارہے ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر آپ اپنی شخصیت کو پُراعتماد بنا سکتے ہیں:

۱- اس ذاتِ پاک کی شکرگزاری کریں جس نے آپ کو ایک صحت مند جسم اور ذہن عطا فرمایا اور اپنی بہترین اُمت کا ایک فرد بنایا۔

۲- علم حاصل کریں، اس سے آپ کے اعتماد میں اضافہ ہوگا۔ دلائل کی طاقت سے آپ اپنے مؤقف کو دنیا کے سامنے بہتر طور پر پیش کرسکتے ہیں۔ اس سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔

۳- سیکھنا (learning) ایک ہمیشہ جاری رہنے والا عمل ہے، اس لیے مختلف امور پر مطالعہ جاری رکھیں۔

۴- اندازِ فکر مثبت رکھیں۔ اس سے ذہن کشادہ اور دل روشن رہتا ہے۔

۵- کامیاب لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ اس سے آپ کو اپنی شخصیت بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

۶- اعتدال کا راستہ اختیار کریں۔ توازن میں ہی زندگی کا حُسن ہے۔

۷- اپنے کردار کو بہتر بنائیں، اپنے قول و فعل میں تضاد نہ آنے دیں۔

۸- چیلنجوں کو تدبیر اور تدبر سے حل کریں۔ مشکلات کو احسن انداز میں سلجھانے سے آپ کے اعتماد میں اضافہ ہوگا۔

۹- حتی الوسع لوگوں کی مدد اور رہنمائی کریں۔ اس کو بوجھ سمجھنے کے بجائے خوش دلی سے کریں۔

۱۰- وقت کی قدر کریں۔ ہر ساعت کو کسی مقصدی/ مفید کام کی تکمیل میں صرف کریں۔

سنابل العلم

اصلاحِ معاشرہ میں احتساب کا کردار

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری°

احتساب (accountability) کا تصور نہ صرف مذہبی لحاظ سے بلکہ دنیاوی امور میں بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن کریم میں بارہا احتساب کے تصور کو دہرایا گیا ہے' اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے' یعنی نیکی کی تلقین کی جائے اور برائی سے منع کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہ صرف احتساب کا جامع تصور پیش کیا بلکہ اپنی ۲۳ سالہ مسلسل جدوجہد میں احتساب' محاسبہ اور اصلاح وتطہیر کا عمل جاری رکھا جس کے نتیجے میں ایک مختصر سی مدت میں وہ مثالی معاشرہ وجود میں آ گیا جس کی نظیر دنیا آج تک نہ پیش کر سکی۔

احتساب کا یہ تصور زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ انفرادی' اجتماعی' معاشرتی' سیاسی' اخلاقی' غرض کوئی شعبہ حیات ایسا نہیں جو احتساب کے دائرہ کار سے باہر ہو۔ اسی لیے نظمِ مملکت اور تاسیسِ حکومتِ الٰہی کے حوالے سے اسلامی ریاست کے انتظامی اداروں مثلاً امورِ داخلہ' تعلقاتِ خارجہ' مالیات' عسکری امور' عدلیہ اور تعلیم و تربیت کے ساتھ ایک اہم ادارہ 'احتساب' ہے جو معاشرتی اصلاح کے حوالے سے بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس ادارے کے تحت لوگوں کے عام اخلاق کی نگرانی و اصلاح' عمّال [ملازمین] کی تربیت اور ان کا محاسبہ' نیز تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد اور حرام اور ناجائز ذرائع آمدن کی بیخ کنی شامل ہے۔

عوام الناس کے اخلاق کی نگرانی کا یہ کام سرکاری پیمانے پر غالباً اس ارشادِ الٰہی کے

° ڈائرکٹر' علما اکیڈمی' محکمہ اوقاف' پنجاب

بموجب تھا کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط (الحج ۲۲:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر لوگوں کے اخلاق اور مذہبی فرائض کے متعلق وقتاً فوقتاً داروگیر فرماتے رہتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اُنھیں اس بات پر توجہ دلاتے تھے کہ وہ احکام خداوندی کی پوری طرح پابندی کریں۔ چنانچہ اسلام کی بنیادی اور اصولی چیزوں کی تعلیم و تربیت کے لیے حضورؐ نے تمام قبائل سے کہا کہ ہر ایک قبیلہ اپنے کچھ لوگوں کو منتخب کر کے مدینہ بھیجے۔ آپؐ کا یہ طرزِ عمل بھی اس آیت کی تفسیر تھا:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○ (التوبہ ۹:۱۲۲)

اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُن کی آبادی کے ہر حصّے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

اصلاح معاشرہ کی تڑپ اور لگن، دنیا کے ہر طبقے اور ہر سوسائٹی میں اپنے اپنے افکار ونظریات کے مطابق موجود رہی ہے۔ بدھ مت کے پیروکار تمام مصائب کا سبب، نفسانی خواہشات کو قرار دیتے رہے لہٰذا وہ ان خواہشات پر قابو پانے ہی کو اصل سمجھنے لگے۔ زرتشت کے نزدیک، بدی کا سدباب صرف برے لوگوں سے نبردآزما ہونے ہی سے ممکن ہے، جب کہ کنفیوشس کا طریقہ کار اور اندازِ فکر اس سے بالکل مختلف رہا۔

اسی طرح عصرِ جدید میں سرمایہ دارانہ نظام کے نزدیک برائیوں اور جرائم کے سدِّ باب کے لیے ذاتی ملکیت کا حق بلاکسی قیدوشرط لازم ہے خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز، جب کہ اشتراکیت

کے نزدیک معاشرتی اصلاح اور برائیوں کے خاتمے کے لیے لازم ہے کہ تمام چیزوں پر ملکیت کا اختیار لوگوں کے قبضے سے نکال حکومت کے سپرد کر دیا جائے۔ اس کے برعکس معاشرے کی اصلاح کے لیے اسلام کا طریقہ کار بڑا منفرد اور جامع ہے۔ وہ صالح معاشرے کے قیام کے لیے فرد کی ہمہ جہت اصلاح اور تربیت کو بنیادی اہمیّت دیتا ہے۔ اس کے دل کی دنیا بدلتا ہے' شعور کو بیدار کرتا ہے اور روحانی بالیدگی کو فوقیت دیتا ہے۔ اس لیے کہ اگر انسان کی اندرونی حالت اور باطنی کیفیت بہتر ہو جائے اور مکمل روحانی طہارت میسر آجائے تو بیرونی دنیا خود بخود سنور اور نکھر جاتی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ کا فرمان ہے:

الا وان فی الانسان مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب (مسندامام احمد حنبل' ج ۴' ص ۲۷۰)

سنو! جسم میں (گوشت کا) ایک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک۔ اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار وہ لوتھڑا دل ہے۔

انفرادی اصلاح اور فکرِ اسلامی کو راسخ کرنے کے بعد ایک دوسرے کی اصلاح کے فریضے کو لازم قرار دیا گیا ہے تاکہ پورا معاشرہ من حیث المجموع جنت نظیر بن جائے۔ حکمِ خداوندی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اٰل عمرٰن ۳:۱۱۰)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو۔

اصلاحِ معاشرہ سے مراد تمام شعبہ ہائے زندگی کی درستی اور ہر قسم کی حق تلفی' بددیانتی' ظلم و تشدد اور بدعنوانی سے پاک' پاکیزہ ماحول اور صالح نظام کا قیام ہے۔ معاشرے کے کسی خاص شعبے پر خصوصی توجہ سے درستی اور باقی کو نظرانداز کرنے سے لوگوں کو امن و سلامتی اور اطمینان نصیب نہ ہو سکے گا اور نہ وہ مثالی معاشرہ ہی قائم ہو سکے گا جو مطلوب و مقصود ہے۔ دینی امور اور شرعی دستور میں معاشرت و معاملات کی اہمیّت بہت زیادہ ہے۔ بقول مولانا منظور نعمانی: معاشرت و معاملات اس لحاظ سے شریعت کے نہایت اہم ابواب ہیں کہ ان میں ہدایتِ ربانی' خواہشاتِ نفسانی'

احکامِ شریعت اور دنیوی مصلحت و منفعت کی کش مکش عبادات وغیرہ دوسرے تمام ابواب سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لیے اللہ کی بندگی و فرمانبرداری، اس کی اور اس کے رسولؐ کی شریعت کی تابع داری کا جیسا امتحان ان میدانوں میں ہوتا ہے دوسرے کسی میدان میں نہیں ہوتا۔ (معارف الحدیث، مولانا منظور نعمانی، ج ۶، ص ۱۸)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک معاشرت اور معاملات کی اصلاح کی اہمیت کو مزید اجاگر کر رہا ہے۔

> حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمھیں وہ عمل نہ بتاؤں جس کے ثواب کا درجہ نماز، روزے اور صدقے کے ثواب سے زیادہ ہے۔ ہم نے عرض کیا: ہاں، یارسولؐ اللہ (ضرور بتایے)۔ آپؐ نے فرمایا: (وہ عمل) آپس کے معاملات اور معاشرتی تعلقات کی اصلاح ہے۔ اور جو شخص باہمی معاملات اور معاشرتی تعلقات میں فتنہ و فساد پیدا کرے وہ مونڈنے (یعنی دین میں خلل ڈالنے) والا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۵۰۳۸، ج ۲، ص ۶۲۲)

معاشرتی اصلاح کے لیے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی معاشرے میں ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' انفرادی اور اجتماعی فرائض میں شامل ہے۔ اسلامی اخلاقیات کی ترویج اور مذہبی اقدار کا فروغ دینی فرائض کا حصہ ہے۔ ظاہر ہے انفرادی سطح پر تو انسان اپنی بساط کے مطابق اس سے عہدہ برا ہوسکتا ہے مگر اجتماعی اور معاشرتی سطح پر کسی مستقل ادارے کے بغیر ان تقاضوں سے عہدہ برا ہونا بڑا مشکل ہے۔ 'احتساب' یا 'حسبہ' نے اسی ضرورت کے پیشِ نظر مکمل ادارے کی صورت اختیار کی۔

احتساب

اصطلاحِ شرع میں احتساب ایک دینی فریضہ ہے جس کی تعریف الماوردی اور ابویعلیٰ نے اپنی اپنی تصنیفات الاحکام السلطانیہ میں یوں کی ہے:

> احتساب سے مراد اچھائی کا حکم دینا جب کھلم کھلا اس کو [ترک] چھوڑ دیا جائے اور

برائی سے روکنا جب اس کو کھلم کھلا کیا جانے لگے۔(احکام السلطانیہ ‘ علی بن محمد الحسن الماوردی‘ مترجم: سید محمد ابراہیم‘ ص ۲۴۰۔احکام السلطانیہ‘ ابویعلٰی‘ مترجم: مصطفٰی البابی الحلبی‘ ص ۲۸۴)

الماوردی اور ابویعلٰی کی اس تعریف کو اور لوگوں نے بھی اختیار کیا ہے۔لیکن ابن الاخوہ محمد بن محمد بن احمد القرشی نے معالم القربہ فی احکام الحسبہ میں اصلاح بین الناس کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ابن خلدون کی تعریف زیادہ جامع ہے:

یہ ایک دینی منصب ہے جس کا تعلّق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے۔
(مقدمہ ابن خلدون ‘ابن خلدون‘ مترجم: مولانا سعد حسن یوسفی‘ ص ۲۲۰)

معاشرتی اصلاح کے حوالے سے احتساب کی اہمیّت سے متعلّق ڈاکٹر عبدالقادر عودہ شہیدؒ اپنی تصنیف اسلام کا فوجداری نظام میں لکھتے ہیں:

احتساب کے لازم ہونے سے‘ افرادِ اُمت اس امر کے پابند ہوتے ہیں کہ وہ نظمِ ملت کو برقرار رکھیں‘ امن وسلامتی کا تحفظ کریں۔ جرائم کو پنپنے نہ دیں اور جرائم و معاصی کے وجود کے خلاف برسرِ پیکار اور اخلاق کے فروغ پانے میں معاون بنے رہیں اور اس طرح معاشرے کو جرائم سے تحفظ کی معقول ضمانت اور سماجی بے راہ روی سے بچاؤ کی کافی ضمانت میسر آجاتی ہے۔ معاشرے کی وحدت کو پراگندگی کا کوئی خطرہ نہیں رہتا اور اجتماعی نظام‘ نت نئے افکار اور مہلک تحریکات سے محفوظ رہتا ہے بلکہ مفاسد اور برائیاں بڑھنے اور پھیلنے سے پہلے ہی ختم کردی جاتی ہیں۔

نظامِ احتساب

مندرجہ بالا احکام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جہاں اور جس وقت کسی دوسرے شخص کو برائی یا خلافِ شریعت کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا جائے تو حسبِ استطاعت فوراً ہی اُسے روکیں اور جہاں بھی فساد اور شر کے آثار نظر آئیں تو ان کا قلع قمع کریں‘ نیکی اور بھلائی کا حکم دیں۔ چونکہ معاشرہ مختلف شعبہ ہائے حیات سے مل کر معرضِ وجود میں آتا ہے‘ لہٰذا کسی بھی فرض کی انجام

فوراً اصلاح کی طرف راغب کر دیتی ہے اور ندامت سے اُس کا سر جھک جاتا ہے' اور اپنی جبینِ نیاز کو اپنے رب کی بارگاہ میں جھکا دیتا ہے۔ اسی احساس' خشیتِ الٰہی اور خوفِ خداوندی کا نام تقویٰ ہے اور شاید اسی کے انعام کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ○ (النّٰزعٰت ۷۹:۴۰-۴۱)

اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بُری خواہشات سے باز رکھا تھا' جنت اُس کا ٹھکانا ہوگی۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهٗ ○ (البینة ۹۸:۸)

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ کچھ ہے اُس شخص کے لیے جس نے اپنے رب کا خوف کیا ہو۔

یہ احتسابِ نفس ہی تھا کہ کبارِ صحابہ اور اولیاء اُمت کھانے پینے کی معمولی چیزوں کی بھی پوری چھان بین کرتے تھے تاکہ کوئی لقمۂ حرام یا مشکوک کھانا پیٹ میں نہ چلا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا معروف واقعہ ہے کہ بھوک کی شدت سے خادم کا لایا ہوا کھانا بغیر تحقیق کے کھا لیا اور معلوم ہونے پر کہ کھانا مشکوک ہے تو آپ نے اس لقمے کو قے کر کے نکال دیا۔ آپ سے پوچھا گیا: ''خدا آپ پر رحمت کرے' اتنا کچھ آپ نے صرف ایک لقمے کی وجہ سے کیا۔ آپ نے فرمایا: اگر یہ میرے دمِ واپسیں کے ساتھ نکلتا جب بھی میں اس کو نکال کر رہتا''۔ (صدیق کامل' عباس محمود العقاد' مترجم: منہاج الدین اصلاحی' ص ۷۶)

خود احتسابی کے معاملے میں حضرت عمرؓ کا مزاج سب سے نرالا تھا۔ آپؓ کے احتسابِ نفس کا یہ عالم تھا کہ ایک بار مشک کاندھے پر اٹھا کر چل دیے۔ لوگوں نے کہا: یہ کیا ہے؟ فرمایا: میرے نفس میں عجب (تکبر) پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کو ذلیل کر دیا۔ اسی طرح ایک بار خطبے کے لیے منبر پر چڑھے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ میں ایک زمانے میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا کر دیا کرتا تھا۔ وہ اس کے بدلے مجھے چھوہارے دیا کرتے تھے۔ میں وہی

دہی اور دیگر امور میں مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے ایک ہی طریقہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ انھی امکانات کے پیشِ نظر اسلام میں احتساب کا ایک ایسا جامع نظام وضع کیا گیا ہے جو نتیجہ خیزی کے اعتبار سے انتہائی ارفع ہے۔ جس میں ہر شخص اپنے مقام پر رہ کر اس اہم ذمہ داری کو احسن انداز میں پورا کرسکتا ہے۔ احتساب کے بارے میں اسلام کے متعین کردہ اصولوں کو پانچ دائروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱- **احتسابِ نفس:** حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (روزِ قیامت) حساب کتاب سے پہلے خود اپنے نفس کا محاسبہ کرو اور (روزِ قیامت) بڑی پیشی کے لیے (اعمالِ صالحہ سے) اپنے آپ کو مزین کرو۔ روزِ قیامت حساب صرف اس شخص کے لیے سہل ہوگا جس نے دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہوگا۔ (سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۲۵، ج ۴، ص ۶۳۸)

ارشادِ ربانی ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ○ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِيْرَهٗ ○ (القیامۃ ۷۵: ۱۴-۱۵)

بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔

معاشرہ فرد سے بنتا ہے اور فرد کی اصلاح میں خود احتسابی یا احتسابِ نفس بڑی بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن نفس کی شاطرانہ چالوں سے بھی کوئی مردِ خود آگاہ اور خود بیں ہی بچ سکتا ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی کے بقول: ''یہ نہ بھولنا چاہیے کہ نفس اپنا احتساب کرنے میں سخت حیلہ گر اور فریب کار ثابت ہوا ہے...... اور جو ہمیشہ سے دعوتِ حق کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ثابت ہوتا رہا ہے۔ اس لیے اگر راہِ حق کی سچی طلب ہو تو ضروری ہے کہ نفس کی اس مہلک کمزوری اور شعبدہ بازی سے انسان پوری طرح چوکنا رہے اور اپنے فکروعمل کا احتساب کرتا رہے۔ (فریضہ اقامت دین، ص ۱۶۴)

نفس کی اصلاح اور خود احتسابی اس قدر موثر اور نتیجہ خیز چیز ہے کہ اس سے انسان کا ضمیر بیدار اور دل پاکیزہ ہوجاتا ہے، اور اگر اس سے کوئی غلط کام ہو بھی جائے تو ضمیر کی ملامت اس کو

کھا کر زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا: بھلا یہ منبر پر کہنے کی بات تھی؟ فرمایا: میری طبیعت میں ذرا غرور آ گیا تھا۔ یہ اس کی دوا تھی۔ (الفاروق' شبلی نعمانی' ص ۳۹۱)

خلافت کے متعلق حضرت عمرؓ کے ذاتی احتساب کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق رسول بنا کر بھیجا' اگر کوئی اونٹ فرات کے کنارے مر کر ضائع ہو جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس کے متعلق اللہ مجھ سے باز پرس کرے گا۔ (تاریخ طبری' مترجم: سید محمد ابراہیم' ج ۲' ص ۲۵۳)

۲- احتساب اهلِ خانہ و اقربا: ارشادِ خداوندی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم ۶۶:۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے' جس پر نہایت تُند خُو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انھیں دیا جاتا ہے اُسے بجا لاتے ہیں۔ (اُس وقت کہا جائے گا کہ) اے کافرو' آج معذرتیں پیش نہ کرو' تمھیں تو ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کر رہے تھے۔

سورہ لقمان میں حضرت لقمانؑ کی زبان سے توحید' مکارم اخلاق اور حسن معاشرت کا جو درس قریب قریب پورے ایک رکوع میں دیا گیا ہے' اس میں خصوصی خطاب اپنے بیٹے کی طرف ہے اور نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کو انجام دینے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو بھی برداشت کرنے کے متعلق نصیحت فرمائی گئی ہے:

يٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (لقمٰن ۳۱:۱۷)

بیٹا' نماز قائم کر' نیکی کا حکم دے' بدی سے منع کر۔

خود آنحضورؐ کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط (طٰهٰ ۲۰:۱۳۲)

اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔

اور پھر اہلِ خانہ کے علاوہ خاص طور پر یہ حکم ہوا کہ اپنے نزدیکی کنبے والوں کو ڈراوَ۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (الشعراء ۲۶:۲۱۴)

اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراوَ۔

۳- **احتساب افرادِ عامہ** : احتساب کی یہ وہ سطح ہے جس کا تعلق معاشرے کے عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے ہے' اس کے ذریعے کتابِ ہدایت پر تمام ایمان لانے والوں کے نفس کو ایمانی ہمدردی اور دوستی کے لوازم میں داخل کر دیا گیا ہے کہ بلا تخصیص مرد و عورت سارے افرادِ اُمت آپس میں ایک دوسرے کو معروف کی تاکید کریں اور منکر سے منع کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ ۹:۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں' یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں کا حاکم ہے وہ ان کا نگران اور ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ تم سے ان کے امور و معاملات کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا۔ اسی طرح ایک عام شخص بھی اپنے گھر والوں کا محافظ و نگران ہے اور اسے بھی ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران اور ان کی بہتری کی محافظ و ذمہ دار ہے۔ اور اس سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ غلام اپنے آقا کے مال کا محافظ اور نگران ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ لہٰذا یاد رکھو تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا''۔ (بخاری' ج ۹' ص ۷۷)

اسی سلسلے میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو: حضرت معقلؓ بن یسار روایت کرتے ہیں کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس بندے کو اللہ نے رعیت کا حاکم و محافظ بنایا اور اس نے بھلائی اور خیر خواہی کے تقاضوں کے مطابق رعیت کی حفاظت کی ذمہ داری پوری نہیں کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا''۔ (بخاری، ج ۹، ص ۸۰)

قرآن و سنت کی رُو سے یہ امر واضح ہوا کہ اسلام کا تصورِ احتساب زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ چاہے کوئی کسی ادارے کا سربراہ ہے یا چند افراد پر مشتمل گھر کا سربراہ۔ حکمران رعایا کے بارے میں، والد اولاد کے بارے میں، شوہر بیوی کے بارے میں، بیوی گھر اور اولاد کی حفاظت و تربیت کے بارے میں۔ گویا کہ ہر صاحب منصب ذمہ دار اور جواب دہ بنا دیا گیا۔ احتسابِ عامہ کا یہ فرض صرف وعظ و تقریر یا خطاب عام تک ہی محدود نہیں بلکہ یہاں مراد خصوصیت سے انفرادی امر و نہی ہے اور یہ کہ دوسرے کی بھلائی، برائی، نیکی و بدی کی ہر چھوٹی بڑی بات کو حسب موقع صرف بتلا ہی نہ دیا جائے بلکہ اس کو نیکی کی راہ پر لگانے اور برائی کی راہ سے ہٹانے کی پوری کوشش کی جائے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں استطاعت کے تین درجے وضع کیے گئے ہیں: ''جب کوئی کسی برائی کو دیکھے تو پہلے تو ہاتھ سے روکے۔ عدمِ استطاعت کی صورت میں زبان سے اور یہ بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے''۔ آنحضورؐ نے خود اپنی سنت سے تینوں طریقوں سے تغیرِ منکر کی بہترین مثال قائم فرمائی۔ اپنی سنت سے تینوں صورتوں ہاتھ، زبان اور دل سے منکر کو مٹانے کی صاف اور واضح رہنمائی و نشاندہی فرمائی۔

۴- **اجتماعی احتساب**: اجتماعی احتساب سے مراد وہ احتساب ہے جس کے بارے میں خود قرآن پاک نے فرمایا کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ (اٰل عمرٰن ۳:۱۰۴)

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں: ''اس آیت سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ کہ اُمت پر یہ فرض ہے کہ وہ یہ فریضہ انجام دے اور ایک ایسی جماعت مقرر کرے جس کے ذمے حاکموں کے اعمال کی نگرانی کرنا ہو اور وہ یہ دیکھے کہ قوانین کی پیروی ہو رہی ہے یا نہیں۔ منکر اور مظالم سے روکے اور خیر و بھلائی اور اصلاح کی طرف رہنمائی کرے''۔ (النظریات

السیاسیۃ الاسلامیہ، ص ۳۱۵)

اسلامی معاشرے میں ہمیشہ ایک ایسی مستقل جماعت یا اُمت در اُمت کا رہنا ایک لازمی اور اہم ترین عنصر ہے۔ جس کی زندگی کا خاص مقصد اور مشن ہی یہ ہو کہ وہ سب کام چھوڑ کر لوگوں کو خیر کی طرف بلائے۔ یہی جماعت صحیح معنوں میں علما کی جماعت ہے۔ جو دنیوی علم کے ساتھ ساتھ اپنی عمر کا اصلی و منصبی فریضہ یعنی احکامِ الٰہی کی تعلیم و تبلیغ اشاعت و دعوت اور امر و نہی وغیرہ میں لگے رہتے ہیں کیونکہ ان پر یہ فرض کر دیا گیا ہے۔

۵- **احتسابِ حکومت:** احتساب کی پانچویں قسم حکومت کی طرف سے اس فرض کا انجام پانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی اسلامی ریاست کی اصل بنیاد اور مقصد اعلیٰ ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ: اگر ہم اُنھیں زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے (الحج ۲۲:۴۱)۔ ابن عربی مالکی اس کی توضیح یوں فرماتے ہیں: ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کی بنیاد اور مسلمانوں کی خلافت کی اساس ہے''۔ (احکام القرآن، ج ۱، ص ۲۹۳)

ابن تیمیہ کے بقول: ''سارے اسلامی مناصب حکومت کا مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے''۔ (الحسبہ فی الاسلام، ص ۳۷)

حکومتی سطح پر احتساب، مذکورہ چاروں اجزا کا لازمہ اور خاصہ اور نظامِ صلاح و فلاح کا اہم ترین جزو ہے۔ اس کی اہمیّت پہلی تمام اقسام سے اس لیے بھی زیادہ ہے کہ معاشرے میں وہ لوگ جو سرکشی اور ارتکابِ معصیت میں اس حد تک بڑھ چکے ہوتے ہیں اور شر و فساد کا ان پر اس حد تک غلبہ ہو چکا ہوتا ہے کہ پھر ان کو بداخلاقی اور معصیت سے روکنے کے لیے انفرادی سطح پر لوگ بے بس ہو جائیں۔ اس وقت برائیوں کو روکنے کے لیے مکمل طاقت اور حکومتی قوت درکار ہوگی۔ اس صورت میں ادارۂ احتساب کا باقاعدہ اور مستقل قیام ہی ان جرائم کی روک تھام اور امن و امان قائم کرنے کے لیے بہترین کردار ادا کر سکتا ہے تاکہ اللہ کی زمین کو ہر قسم کے شرپسندوں سے پاک کر دیا جائے اور دین کا بول بالا ہو۔

احتسابِ حکومت سے یہاں مراد یہ بھی ہے کہ حکومتی ادارے ازخود بھی کسی طرح کے

احتساب سے ماورا نہیں ہیں۔ اسلامی معاشرے میں احتساب کو یک رخا نہیں بنایا گیا بلکہ معاشرے میں ایک دوسرے کے معاملات کو متوازن اور معتدل بنانے کے لیے بیدار مغز رویے موجود رہنے چاہییں۔ جیسے حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں منبر سے جب یہ صدا بلند کی: ''اے لوگو! سنو اور مانو''۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور بآواز بلند کہنے لگا کہ ہم تمھاری بات نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے۔ جب تک تم یہ نہ بتاؤ کہ دوسرے لوگوں کو ایک ایک چادر ملی مگر تمھارے جسم پر یہ دو چادریں کہاں سے آئیں''۔(عمر فاروق اعظم' محمد حسین ہیکل' ص ۵۹۰)

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا لا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (النساء ۴:۵۸)

مسلمانو! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو' اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

جہاں تک عمال کے محاسبے اور ان کی تربیت کا تعلق ہے تو اس کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ دورِ نبوت میں جن لوگوں کو کوئی اہم ذمہ داری سونپی جاتی مثلاً صدقہ یا زکوٰۃ وغیرہ کی وصول یابی کے لیے بھیجا جاتا' ان سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی پوچھ گچھ کرتے تھے کہ کہیں وصولی میں انھوں نے بے جا ظلم یا زیادتی یا ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے بنو اسد کے ایک شخص ابن اللتبیہ کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ جب وہ وصول کر کے واپس آئے تو انھوں نے دو قسم کا مال رسولؐ اللہ کے سامنے یہ کہہ کر رکھ دیا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مال مجھ کو تحفتاً ملا ہے۔ آپؐ نے یہ ملاحظہ فرمایا تو کہا کہ ''گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟'' اس کے بعد خطبہ میں اس قسم کے لین دین کی سختی سے ممانعت فرما دی اور فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے! ان محاصل میں جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن وہ چوری کیا ہوا مال اپنی گردن پر لادے چلا آ رہا ہوگا'' (بخاری)۔ حضرت ابوحمید ساعدی کی روایت کے ساتھ یہ حدیث صحیحین [بخاری و مسلم] میں بیان ہوئی ہے۔

دوسرا پہلو یہ کہ: رسولؐ اللہ ایک عظیم مصلح اور بیدار مغز حکمران تھے۔ آپؐ کو جہاں یہ

خیال تھا کہ عہدیدار اپنے فرائض و واجبات کی بجاآوری صحیح طور پر کریں وہاں اس بات کا بھی خاص اہتمام تھا کہ عمال و حکام اسلامی نظریۂ حیات پر کامل یقین، دینی تعلیمات سے گہری واقفیت اور زیورِ اخلاق سے پوری طرح آراستہ ہوں تاکہ جہاں بھی ان کا تقرر کیا جائے وہ کامیاب ثابت ہوں، اور کم از کم وہاں کے باشندے ان کے اخلاق سے شاکی نہ ہوں اور وہ شرع کے مطابق فیصلے کریں۔

حکومت کی ذمہ داریوں میں سے یہ ذمہ داری انتہائی اہم ہے کہ وہ عامۃ الناس کو حرام تجارتی طریقوں سے محفوظ رکھنے کے لیے کاروباری معاملات کی نگرانی کریں۔ نبی اقدسؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ان امور کی ازخود نگرانی فرمائی۔ بدعنوان تاجروں کو دین و دنیا کی وعید سنانے کے علاوہ آپؐ نے اچھے اور ایماندار تاجروں کو اخروی اجر کی بشارت بھی سنائی۔ نیز چیزوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں آپؐ نے بات بات پر حلف اٹھانے، جھوٹی قسمیں کھانے، ناپ تول میں کمی کرنے اور اسی قسم کی دوسری نازیبا حرکات کی سخت ممانعت کر دی، اور پھر اس ترغیب و ترہیب کے ساتھ ساتھ عملی اقدامات بھی فرمائے۔ آپؐ بعض اوقات بازاروں اور منڈیوں کا دورہ کرتے اور موقع پر ہی تحقیق و تفتیش فرما کر ضروری تنبیہ یا کارروائی عمل میں لے آتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپؐ بازار تشریف لے گئے اور غلے کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو غلّہ اندر سے گیلا تھا۔ آپؐ نے دکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ "پھر اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ ہر شخص کو نظر آئے (پھر فرمایا)۔ جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں"۔ (صحیح مسلم)

وزن اور ناپ تول کو ٹھیک رکھنا قرآن کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے، جب کہ رسولؐ اللہ نے بھی اشیا کو محض اندازے کے بجائے تول سے دینے اور وزن کرنے کی ہدایت کی ہے۔ مزید برآں آپؐ نے منڈیوں اور بازاروں کی مجموعی نگہداشت اور تاجروں کے بے جا تصرف سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے بازاروں کے لیے باقاعدہ محتسب (مارکیٹ انسپکٹرز) کا تقرر بھی کیا تھا۔

الغرض معاشرتی اصلاح میں 'احتساب' ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کے

ساتھ ساتھ اصلاح و تبلیغ، وعظ و نصیحت، عمدہ افکار و عقائد کی ترویج، اخلاقی اصلاح، روحانی بالیدگی اور ذہنی پاکیزگی کے لیے دیگر جملہ ذرائع بھی بروے کار لانے ضروری ہیں تاکہ لوگ محض سزا یا سزا کے خوف سے نہیں بلکہ فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً کا خوب صورت پیکر بن کر ایک ایسے خوب صورت اسلامی اور فلاحی معاشرے کی تفسیر پیش کریں جہاں افراط و تفریط اور ظلم و تعدی کا کوئی نشان نظر نہ آئے۔

مزدکی ہو کہ فرنگی ہوس خام میں ہے
امنِ عالم تو فقط دامنِ اسلام میں ہے

گھر کی تعمیر: اسلامی نقطۂ نظر

ڈاکٹر اُم کلثوم ○

گھر زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ گھر مقامِ رہایش ہی نہیں ایک جاے پناہ بھی ہے جو موسم کی سختیوں اور دیگر خطرات سے حفاظت کرتا ہے۔ تمام جاندار بشمول حشرات الارض' جنگلی درندے' چرند پرند اپنے لیے گھر تعمیر کرتے ہیں جہاں وہ آزادی سے رہ سکیں اور آرام و سکون حاصل کر سکیں۔

ہر جانور اپنے خالق رب کریم کی عطا کردہ دانش اور رہنمائی کے مطابق اپنے لیے گھر تعمیر کرتا ہے جو اپنی جنس کے لحاظ سے منفرد ہوتا ہے۔ 'بیا' کا گھونسلا' مکڑی کا جالا' شہد کی مکھیوں کا چھتہ' چیونٹیوں کے زیر زمین بل' سب اپنی نوعیت کے لحاظ سے فن تعمیر کے شاہکار ہیں۔ مکڑی خود کو اپنے گھر میں محفوظ اور مطمئن خیال کرتی ہے اگرچہ اس کے گھر کی کمزوری کی گواہی اس کے مالک وخالق رب نے خود دی ہے: وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ ؕ (العنکبوت ۲۹:۴۱)
''اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے''۔

رب کریم نے ہر جانور کی فطرت میں گھر بنانے کا داعیہ رکھ دیا ہے۔ ان میں سے کوئی درخت کی ٹہنیوں پر اپنا گھر تعمیر کرتا ہے' کوئی اس کی کھوہ میں۔ کوئی پہاڑوں کے غاروں میں بسیرا کرتا ہے تو کوئی ان کی بلندیوں پر۔ پالتو جانور اپنے گھر خود نہیں بناتے۔ انسان ان کے لیے جو قیام گاہیں بنا دیں وہیں قیام کر لیتے ہیں۔ شہد کی مکھی کا گھر تمام گھروں سے نرالا ہے۔ یہ ایک گھر

○ میڈیکل کے شعبہ تدریس سے وابستہ' لاہور

ہی نہیں ایک فوڈ فیکٹری ہے' سٹور ہاؤس ہے۔ ہزاروں مکھیوں کو رہایش اور جاے کار مہیا کرنے والی ایک کالونی ہے جس کا نظم و ضبط اپنی مثال آپ ہے۔ شہد کی مکھی نے کسی ماہر تعمیرات سے رہنمائی حاصل نہیں کی بلکہ اپنے عظیم المرتبت خالق کی براہِ راست نگرانی میں اپنی ذمہ داری ادا کر رہی ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

اور دیکھو' تمھارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں' اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں' اپنے چھتے بنا' اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس' اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔ (النحل ۱۶:۶۸-۶۹)

تمام جانوروں کے گھروں کی بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱- وہ اپنے گھر راستوں سے ہٹ کر اس طرح بناتے ہیں کہ راستوں میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

۲- وہ ناجائز تجاوزات نہیں کرتے۔

۳- وہ اپنی کم سے کم ضرورت پر بڑا گھر نہیں بناتے۔

۴- وہ ایک دوسرے کی ملکیت کا احترام کرتے ہیں۔ کسی دوسرے کے گھر پر ناجائز قبضہ نہیں کرتے۔

۵- گھر کی ملکیت یا قبضے پر بالعموم ان کے مابین جنگ نہیں ہوتی۔

۶- وہ اپنا گھر خود بناتے ہیں۔ گھر کی تعمیر کے معاملے میں کسی دوسرے کی مدد حاصل نہیں کرتے۔

۷- وہ اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں۔

ان خصوصیات کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ معیاری اور فطری خصوصیات ہیں۔

انسان اور گھر

جنت ارضی پر آمد کے ساتھ ہی انسان اپنے لیے موزوں رہایش کی تعمیر و تلاش میں مصروف ہوگیا۔ غاروں کو مسکن بنانے والا انسان جلد ہی تعمیراتی علوم و فنون میں مہارت بڑھاتا

چلا گیا۔ اس عظیم خلاق کی ودیعت کردہ ذہانت اور اہلیت کی بنیاد پر نئی نئی اختراعات کا شوقین غاروں اور گھاس پھوس کے جھونپڑوں سے نکل کر عظیم الشان محلات، باغات، اہرام اور فلک بوس عمارتیں تعمیر کرنے لگا۔ ماحول، موسم، فیشن اور وقت کے تقاضوں کے مطابق رہایشی بستیاں تعمیر کی جانے لگیں۔ مکانوں کی تزئین و آرایش میں مسابقت شروع ہوگئی۔ گھر ایک بنیادی ضرورت ہی نہیں، معیارِ زندگی کی علامت قرار پایا۔ انسان کی ساری زندگی کی تگ ودو ایک آرام دہ، شان دار گھر کے لیے قرار پانے لگی۔ جہاں سے اسے تحفظ حاصل ہو، جو اس کی خلوتوں کا پردہ پوش، اس کے وقار اور ذوق کا آئینہ دار ہو!

گھر کی چار دیواری میں ایک شخص کی اپنی سلطنت ہے جہاں کا وہ خود حاکم ہے، اس کو اپنی من مانی کی آزادی ہے۔ گھر کے معاملے میں انسان کی ضرورت کی کوئی حد نہیں۔ کہیں تو ایک مختصر سا گھاس پھونس کا جھونپڑا اس کی تمام ضروریات کے لیے کافی نظر آتا ہے اور کہیں ہزاروں ایکڑ پر مشتمل وسیع و عریض محلات بھی اس کی طمع کی تسکین سے قاصر ہوتے ہیں جن کی تزئین و آرایش اور انتظام و انصرام پر ہی لاکھوں ڈالر ماہانہ اٹھ جاتے ہیں اور پھر معیار برقرار رکھنے اور حفاظت و انتظام کے لیے مزید لاکھوں ڈالر درکار ہوتے ہیں۔

انسانی ضروریات کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک آراستہ و پیراستہ گھر ان کی تکمیل سے قاصر ہے۔ وہ گردونواح میں ایک پوری بستی کا محتاج ہے، دوسرے انسانوں کے تعاون کا متلاشی ہے۔ وہ اپنے دکھ سکھ میں دوسروں کو شریک دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ یوں ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ مختلف گھروں کی تعمیر سے ایک ماحول وجود میں آتا ہے۔ ایک ماحول، ایک معاشرے میں رہنے والے افراد ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے لیے راحت رساں ہوتے ہیں اور باعث آزار بھی! اچھی بستی اور معاشرہ وہ ہے جہاں کے رہنے والے ایک دوسرے کے لیے زیادہ سے زیادہ مددگار ہوں۔ ایک دوسرے کو دکھ دینے والے نہ ہوں۔ اسلامی معاشرت کا بنیادی اصول یہی ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

بستیوں کی اس بنیادی ضرورت کے پیشِ نظر ایک مہذب معاشرے میں انسانوں کی بودوباش اور تعمیر و تشکیل کے کچھ بنیادی اصول و ضوابط طے کر دیے جاتے ہیں تاکہ افراد ایک دوسرے کے لیے باعث راحت ہوں۔ گھروں اور عمارتوں کی تعمیر کے لیے مقتدر انتظامیہ کی جانب سے تعمیراتی ضوابط (building rules) مقرر ہوتے ہیں۔ ملک کے بڑے شہروں کے ترقیاتی ادارے ان ضوابط کے اجرا اور عمل درآمد کی نگرانی پر مامور ہیں۔ قصبوں میں یونین کونسل یا ضلعی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان ضوابط پر عمل درآمد یقینی بنائیں۔

کسی عمارت کی تعمیر میں دو بنیادی اصول پیشِ نظر رکھنا لازم ہے:

۱- عمارت صحت و صفائی کے اصولوں کے مطابق تعمیر ہو۔ اس میں روشنی اور ہوا کی آمدورفت کا مناسب انتظام ہو۔

۲- عمارت کی تعمیر پڑوس کے لیے باعث آزار نہ ہو۔

ان اصولوں کی بنیاد پر ہی شہروں اور بستیوں کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے، حتیٰ کہ پورا قصبہ یا شہر ایک وجود کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بستیاں اور شہر کسی قوم کی تہذیب و تمدن کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ "انسان شہر تعمیر کرتے ہیں اور شہر انسان بناتے ہیں"۔

شہر بسانا ایک سائنس ہے اور آرٹ بھی۔ شہر کچھ متعین حقائق مدنظر رکھ کر ہی تعمیر کیے جاتے ہیں۔ بستیوں کو حسن، ترتیب اور توازن عطا کرنا ایک بڑا آرٹ ہے۔ کسی شہر کی تعمیر کی منصوبہ بندی میں جمالیاتی ذوق کی تسکین ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ شہریوں کی مناسب جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لیے سازگار ماحول کی فراہمی ایک اہم ضرورت ہے۔

صحت مند بستیوں کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

- گھر کے لیے مناسب اور باوقار جگہ کی فراہمی۔
- بستی میں گھروں کی ایک ترتیب اور منظم تعمیر۔
- تجارتی علاقوں کی تخصیص۔
- صفائی اور پاکیزگی کا مناسب اہتمام اور کوڑا کرکٹ کو ٹھکانے لگانے کا انتظام۔
- ناجائز تجاوزات اور تعمیرات کی روک تھام، خطرناک صنعتوں کے بارے میں ضوابط۔

○ رہایشی علاقوں میں آلودگی کا باعث بننے والی صنعتوں کے قیام کی حوصلہ شکنی۔
○ بستیوں میں حفاظت اور تفریح کا معقول انتظام۔
○ تعلیم اور صحت کی سہولتوں کی فراہمی۔
○ بستی کے مکینوں کی فلاح و بہبود کا انتظام۔

انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے تین عوامل کا اہتمام لازم ہے:

۱-سہولتوں کی فراہمی ۲-خدمات کی فراہمی ۳-صحت مند ماحول

عالمی ادارہ صحت نے ایک صحت مند رہایشی بستی کے لیے درج ذیل سفارشات کی ہیں:

○ باوقار رہایش ○ حفاظت کا انتظام ○ خوراک اور صاف پانی کی فراہمی ○ استعمال شدہ پانی کے نکاس کا انتظام ○ متعدی امراض سے بچاؤ کا انتظام ○ شور اور دیگر آلودگی سے بچاؤ کا انتظام ○ غیر محفوظ تعمیرات اور نقصان دہ عوامل سے بچاؤ کا انتظام ○ انفرادی اور اجتماعی سطح پر معاشرتی اور سماجی روابط کا انتظام اور ذہنی صحت کے لیے سازگار ماحول کی فراہمی۔

اسلامی معاشرے کی خصوصیات

اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ انفرادی اور اجتماعی حقوق و فرائض میں ایک خوب صورت توازن پیدا کرتا ہے۔ وہ انسان کے انفرادی تشخص اور خودمختاری کو تسلیم کرتے ہوئے اسے ایسے ضوابط اور حدود کا پابند بناتا ہے کہ اس کی یہ خودمختاری کسی دوسرے فرد کے لیے باعث رنج نہ ہو۔ وہ انسان کو اس بنیادی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ہر عمل کے لیے اپنے اللہ رب العزت کے حضور جواب دہ ہے۔ جواب دہی کا یہ احساس معاشرتی زندگی میں انسانی عمل کو بے لگام نہیں ہونے دیتا۔ اسے ایک ذمہ دار شہری بناتا ہے جو صرف اپنے لیے نہیں جیتا بلکہ پورے معاشرے کے لیے خدمت گزار اور راحت رساں ہوتا ہے۔ اسلام ہر انسان کو معاشرتی قواعد و ضوابط کا پابند بناتا ہے۔ یہ ہماری دینی ذمہ داری ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کی جائے جب تک کہ ان کی جانب سے اپنے رب کی معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء ۴:۵۹) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے اولی الامر ہیں۔

حکام بالا کی اطاعت سے گریز صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ان کے حکم پر عمل درآمد سے اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

معاشرے کو خوب صورت بنانے کے لیے اسلام کے بنیادی احکام درج ذیل ہیں:

- اپنے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے کے لیے باعث آزار نہ ہوں۔
- جو کچھ اپنے لیے پسند کریں' وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کریں۔
- ہمسایگی کا حق ادا کریں۔
- حسن سلوک اور مہربانی اخلاق و کردار کی بنیاد ہیں۔
- معاشرتی ضابطوں کی حفاظت ایک عہد ہے۔ جب تک وہ اللہ کے احکام سے نہ ٹکراتے ہوں ان کی ادایگی لازم ہے۔

ہر انسان کی یہ خواہش ہے کہ اسے پُرامن اور آرام دہ زندگی گزارنے کا موقع حاصل ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے امن و اطمینان فراہم کرنے والا اور راحت رساں ہو۔ یہ طرزِ عمل بستیوں کو جنت کا نمونہ بنا سکتا ہے ؏

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

اسلام کے ان بنیادی قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے گھروں اور بستیوں کی تعمیر کے لیے جو احکام دیے گئے ہیں' ان کا تفصیلی تذکرہ کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی یاددہانی کر لی جائے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو ارادے کی جو قوت نصیب کی ہے اس کو بروے کار لاتے ہوئے جب وہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کر گزرتا ہے۔ ہر لمحے اپنے ہاتھ اور زبان کی نگرانی کرنے والا انسان کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا جس سے کسی دوسرے کی حق تلفی تو کجا معمولی تکلیف کا بھی احتمال ہو۔

بستیوں کی تعمیر میں جن امور کی جانب اسلام ہمیں متوجہ کرتا ہے وہ یہ ہیں:

۱- راستے کے حقوق

○ کشادگی: راستوں کی کشادگی اسلامی فنِ تعمیر کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ اس کا اصل مقصد راستہ چلنے والوں کی سہولت ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ بستیوں کے راستے ہر طرح کی رکاوٹ اور تکلیف دہ امور سے پاک ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: ایک مرتبہ ایک معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ راستے کی کم سے کم چوڑائی سات ذرع (تقریباً ۱۰ فٹ) رکھی جائے۔ (بخاری)

اس دور کی ٹریفک کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۰ فٹ چوڑا راستہ کافی کشادہ سمجھا جاسکتا ہے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی بھی بستی میں ٹریفک کے متوقع دباؤ کے پیش نظر گلیوں اور سڑکوں کی چوڑائی کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے تاکہ ٹریفک کے بہاؤ میں کوئی رکاوٹ نہ آنے پائے۔

○ رکاوٹوں کو دُور کرنا: اسلام اس بات کو قطعاً ناقابلِ قبول خیال کرتا ہے کہ راستوں میں کسی طرح کی رکاوٹ پیدا کی جائے۔ اسے تو راستے میں بیٹھنا یا کھڑا ہونا بھی گوارا نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے راہ گیروں کے لیے رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

> راستوں میں نہ بیٹھو اور اگر تمھیں ایسا کرنا ہی ہے تو اس کا حق ادا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا: یارسولؐ اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ۱- اپنی آنکھوں کی حفاظت کرو، ۲- دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنو، ۳- سلام کا جواب دو، ۴- راہ گیر کی رہنمائی کرو، ۵- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرو۔

راستوں کو تکلیف دہ امر سے محفوظ رکھنا اس قدر اہم خیال کیا گیا کہ راستے سے پتھر کے ایک چھوٹے ٹکڑے کو ہٹانا بھی صدقہ اور نیکی قرار دیا گیا۔ انسانوں کو خوش کرنا اتنا پسندیدہ ٹھیرا کہ مسکرا کر دیکھنا بھی نیکی قرار پایا۔

فی الواقع کشادہ راستے ماحول کی خوب صورتی اور مکینوں کے آرام وسکون میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسلام راستوں کو تنگ کرنے یا رکاوٹ ڈالنے میں کسی عذر کو قبول نہیں کرتا۔ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں راستے کے حقوق کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:

۱- گھروں کے باہر ایسے تھڑے تعمیر نہ کیے جائیں جو راستے کی رکاوٹ کا باعث ہوں۔

اس کا اطلاق اب گیٹ کے راستے پر بھی ہوتا ہے۔

۲- راستے میں اس طرح درخت نہ لگائے جائیں جو رکاوٹ اور تنگی کا سبب بن جائیں۔

۳- گھر سے باہر نکلی ہوئی بالکونیاں، چھجے اور برآمدے تعمیر نہ کیے جائیں۔

۴- کھونٹے اور لکڑیاں گاڑ کر راستے میں تجاوزات کی کوشش نہ کی جائے۔

۵- راستے میں جانوروں کو نہ باندھا جائے جو راہ گیروں کے لیے اذیت، رکاوٹ اور پریشانی کا باعث ہوں۔ اس کا اطلاق اب گاڑیوں کی پارکنگ پر ہوتا ہے۔

۶- راستے میں چھلکے اور کوڑا کرکٹ نہ پھینکا جائے۔

۷- راستے میں پانی نہ چھڑکا جائے جو کیچڑ اور پھسلن کا باعث ہو۔ گھروں کا استعمال شدہ پانی راستوں میں بہانے سے احتراز کیا جائے۔

۸- کوئی ایسی تجاوزات نہ کی جائیں جو پانی کے بہاؤ میں رکاوٹ کا باعث بن جائیں۔

جو دین راستے میں ایک پتھر کے روڑے اور کھونٹے کو بھی گوارا نہ کرتا ہو وہ دوسری بڑی تجاوزات کو کس طرح گوارا کر سکتا ہے۔ اس بارے میں اسلام کی حساسیت اس قدر ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ایک شخص کا یہ عمل اسے جنت میں لے جانے کا باعث بن گیا کہ اس نے راستے میں درخت کی ایک شاخ دیکھی جو لوگوں کے لیے تکلیف کا سبب بن رہی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ یہ شاخ کاٹ ڈالے گا تاکہ یہ راہ گیروں کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے۔
> (مشکوٰۃ، ج ۱۶، ص ۱۸۰۷)

ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا:

> راستے سے پتھر، کانٹا یا ہڈی کا ہٹانا صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ، ج ۲۳، ص ۱۸۱۴)

ایک مرتبہ ایک ساتھی نے دریافت کیا:

> اے اللہ کے رسولؐ! مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو نفع دینے والا ہو؟ آپؐ نے فرمایا: راستے کو اذیت دینے والی اشیا سے صاف کرو۔ (مشکوٰۃ، ج ۱۸، ص ۱۸۰۹)

○ **راستے کی خوب صورتی:** صاف ستھرا راستہ اگرچہ بذاتِ خود خوب صورتی اور

خوش نمائی میں اضافہ کرتا ہے، تاہم اسلام راستوں کو پُرلطف، خوش گوار اور خوب صورت بنانے کے لیے پودے اور درخت لگانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس پابندی کے ساتھ کہ وہ راہ میں رکاوٹ کا باعث نہ ہوں۔ آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا:

اگر کوئی مسلمان ایک درخت لگاتا ہے تو وہ اس کا اجر پائے گا، اس لیے کہ اس سے دوسرے انسان اور جانور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ (بخاری)

درخت جان داروں کے لیے غذا کی فراہمی میں معاون ہوسکتے ہیں۔ راہ چلنے والوں کے لیے سایہ فراہم کرتے ہیں۔ آلودہ فضا کو صاف کرتے ہیں، راستوں کو خوب صورت اور خوش نما بناتے ہیں۔ چنانچہ معاشرے کو آرام دہ اور خوب صورت بنانے کا یہ عمل صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔

اسی ترغیب کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ نئے شہروں کی تعمیر میں یہ ہدایت فرماتے کہ مختلف محلوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑی جائے جس میں درخت لگائے جائیں، حتیٰ کہ بستیوں کے چاروں طرف درخت ہوں۔

صفائی اور پاکیزگی

اسلام جسم اور روح کی پاکیزگی اور طہارت کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیتا ہے۔ روح کی پاکیزگی کے بغیر تو کوئی شخص مسلم ہو ہی نہیں سکتا۔ جسم کی طہارت اور صفائی ایک صحت مند ماحول اور معاشرے کی تشکیل کے لیے حددرجہ لازم ہیں۔ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو خالق کائنات کی محبت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْن (التوبۃ ۹:۱۰۸) ''اور اللہ پاک لوگوں سے محبت کرتا ہے''

نزولِ قرآن کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد ابتدائی احکام میں پاکیزگی اختیار کرنے کا واضح حکم ہے:

وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ○ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ○ (المدثر ۷۴:۴-۵)

اور اپنے کپڑے پاک کرو اور گندگی سے دُور رہو۔

صفائی اور نظافت کی اس درجہ اہمیت کے تحت ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکیزگی ایمان کا حصّہ ہے۔ اور پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امورِ فطرت کا ذکر کیا جن پر عمل ہر پاکیزہ فطرت والا شخص پسند کرتا ہے اور جنھیں تمام انبیا علیہم السلام کی تعلیمات میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان امور میں سے ۹۰ فی صد طہارت اور پاکیزگی سے متعلق ہیں۔ مناسک عبودیت کی ادائیگی میں طہارت بنیادی شرط ہے۔ جب تک جسم، لباس اور جگہ پاک صاف نہ ہو، نماز ادا نہیں ہوتی۔ حج اور عمرہ مکمل نہیں ہوتے۔

نماز کی ادائیگی پر عمل کرنے والا شخص ناپاک نہیں رہ سکتا، گھر اور ماحول کو غلیظ نہیں رکھ سکتا۔ مدینہ کی ریاست اپنے ابتدائی دور میں مالی تنگی اور عسرت کا شکار تھی۔ جہاں کم ہی گھرانے ایسے تھے جنھیں دو وقت کی روٹی پیٹ بھر کر نصیب ہوتی لیکن صفائی اور پاکیزگی کے اعلیٰ معیار کے باعث وہاں بیماری شاذ تھی۔ ایک ایسی سرزمین جہاں پانی کی فراہمی ایک بڑا مسئلہ تھا وہاں اس امر پر زور دیا گیا کہ اجتماعی اجلاس اور باجماعت نماز میں اپنے جسم کی بو سے بھی دوسروں کو محفوظ رکھا جائے۔ جہاں ہر وقت باوضو رہنے کا اہتمام ہو، جہاں گلی اور راستے میں کوڑا کرکٹ تو کجا استعمال شدہ پانی تک پھینکنے کو روا نہ خیال کیا جائے، جہاں راستوں میں تھوکنے اور غلاظت ڈالنے کا تصور تک نہ ہو، ایسا معاشرہ کیوں صحت مند معاشرہ نہ ہوگا۔ پاک روح، پاکیزہ جسم ہی میں قیام کرتی ہے، اور پاکیزہ ماحول ہی میں پنپتی ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق

عمدہ معاشرت کی بنیاد ادائیگی حقوق پر ہے۔ جس معاشرے کا ہر فرد دوسروں کے حقوق سے متعلق اپنی ذمہ داریاں پہچانتا اور ان کو ادا کرتا ہے، وہ مطمئن اور پرسکون معاشرہ ہے۔ پڑوسی سب سے زیادہ ایک دوسرے کے اچھے یا برے طرزِ عمل اور اخلاق سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن پاک ادائیگی حقوق کی فہرست میں ''پہلو کے ساتھی'' کا خاص طور سے ذکر کرتا ہے، حتیٰ کہ دورانِ سفر عارضی قائم ہونے والے پڑوسی کے ساتھ بھی احسان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا

ہے۔(النساء ۴:۳۶)

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کا رویہ ماحول کو خوش گوار رکھنے میں نہایت اہم ہے۔ایک دوسرے کے لیے احترام اور لحاظ کا جذبہ بہت سی بدمزگیوں کو پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: ''کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلم نہیں ہوسکتا' جب تک وہ اپنے پڑوسی کے لیے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے'' (مسلم)۔ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا: ''خدا کی قسم وہ شخص مسلمان نہیں جس کی شرارت سے اس کے پڑوسی محفوظ نہیں''۔ (بخاری' مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق کا اس درجہ حکم دیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بقول یہ گمان کیا جانے لگا کہ شاید انھیں وراثت میں حصہ دار ہی بنا دیا جائے۔ طبرانی میں نبی اللہ صلی علیہ وسلم سے پڑوسیوں کے جو حقوق روایت ہیں' وہ یہ ہیں:

- بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔
- وفات پا جائے تو اس کے جنازے پر جاؤ۔
- قرض مانگے تو اس کو قرض دو۔
- اگر اس کے پاس لباس نہ ہو تو اسے لباس پہناؤ۔
- اسے کوئی نعمت ملے تو اسے مبارک (برکت کی دعا) دو۔
- اسے رنج پہنچے تو اس سے ہمدردی کرو۔
- اپنا گھر اس کے گھر سے بلند نہ کرو کہ اس کی روشنی اور ہوا میں رکاوٹ ہو۔
- اپنے چولہے کے دھوئیں سے اسے تکلیف نہ دو۔

اسلام کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ کوئی شخص خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ وہ تو اس لیے شوربا پتلا کرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ پڑوسی کو اس سالن میں شریک کیا جاسکے۔ وہ تو پھلوں کے چھلکے بھی پڑوسی کے سامنے پھینکنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مبادا اس کے بچوں کو پھل دستیاب نہ ہونے کے باعث چھلکے دیکھ کر احساسِ محرومی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کو ایذا پہنچانے کے کچھ کام گنواتے ہوئے ان سے واضح

الفاظ میں منع فرمایا:

- اپنے گھر کی دیوار اور کھڑکی سے پڑوسی کے گھر نہ جھانکو۔
- اس کی دیوار پر اپنی تعمیر نہ اٹھاؤ۔
- اپنے گھر کا پرنالہ اس کے گھر کی سمت مت لگاؤ۔
- اس کے گھر کے سامنے کوڑا نہ پھینکو۔
- اس کے گھر کا راستہ تنگ نہ کرو۔

ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ان الفاظ میں متنبہ فرمایا:

''جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسیوں کے لیے باعث ایذا نہیں ہوسکتا''۔(بخاری، کتاب الادب)

گھروں کی پردہ داری

اسلام اس لحاظ سے بالکل منفرد نظامِ حیات ہے کہ وہ انسان کی نجی زندگی کے اخفا کو برقرار رکھنے کا حددرجہ اہتمام کرتا ہے۔ وہ تو گھر کے افراد کو بھی یہ حق نہیں دیتا کہ وہ بغیر اطلاع اپنے گھر میں داخل ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ساتھیوں کو ہدایت تھی کہ اپنے گھروں میں داخلے سے پہلے کوئی ایسی آواز ضرور پیدا کرلو تاکہ گھر والوں کو تمھارے آنے کی اطلاع ہوجائے۔

گھروں میں داخلے کے بارے میں سورۂ احزاب میں ارشاد ہے:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' نبیؐ کے گھروں میں بلااجازت نہ چلے آیا کرو۔ (الاحزاب ۳۳:۵۳)

سورۃ النور میں اس حکم کی مزید وضاحت فرمائی گئی:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں نہ داخل ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو' یہ طریقہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ

تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے۔ (النور ۲۴: ۲۷-۲۸)

تخلیہ، ہر شخص کا ایک حق ہے۔ چنانچہ دوسرے کے گھر جھانکنا، باہر سے نگاہ ڈالنا، حتیٰ کہ کسی کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ کسی کے گھر جھانکنے کے بارے میں آپؐ نے فرمایا:

جب نگاہ داخل ہوگئی تو پھر خود داخل ہونے کے لیے اجازت مانگنے کا کیا موقع رہا؟ (ابوداؤد)

مزید فرمایا:

اجازت مانگنے کا حکم تو اسی لیے ہے کہ نگاہ نہ پڑے۔ (ابوداؤد)

گھر کے مکینوں کے اس حق کی حفاظت کا اس قدر اہتمام ہے کہ صحیحین میں آپؐ کا ارشاد ہے:

اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو ایک کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو کچھ گناہ نہیں۔

اسلام کی اسی حساسیت کی بنا پر ہر دور میں مسلم گھروں کی تعمیر میں پردے کا خصوصی اہتمام رہا۔ گھر اس انداز میں تعمیر کیے جاتے کہ گھروں کے اندر کمروں، صحن اور چھت پر بھی کسی کی نگاہ نہ پڑے۔ صحن اور چھت کی چار دیواری اتنی بلند رکھی جاتی کہ اہل خانہ وہاں بیٹھے ہوں تو کسی کی نظر پڑنے کا احتمال نہ ہو، اور اہل خانہ اطمینان سے کھلی ہوا اور روشنی سے فائدہ اٹھا سکیں۔ حفظانِ صحت کے لحاظ سے یہ بات اہم ہے کہ روشنی اور تازہ ہوا کا حاصل ہو۔ ان کی موجودگی بذاتِ خود کئی بیماریوں اور معذوریوں سے بچاؤ کا سامان فراہم کرتی ہے۔ کھلی فضا میں بیٹھنے یا رات کو سونے سے توانائی کی بچت بھی ممکن ہے جو آج کے دور کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

ملکیت کا احترام

انسانی زندگی کا سکون اور توازن برقرار رکھنے کے لیے لازم ہے کہ موجود وسائل پر انسانوں کی ملکیت کا حق تسلیم کیا جائے۔ حق ملکیت قائم کرنے کے لیے تمدن کی ترقی کے ساتھ

ساتھ ضابطے رواج پاتے گئے تاکہ باہم نزاع نہ پیدا ہو۔ اسلام انسان کے اس حق کے احترام اور تحفظ کا پورا اہتمام کرتا ہے۔

گھر کے حق ملکیت کا احترام فطری تقاضا ہے۔ جانور تک اپنے اس حق کے بارے میں بڑے حساس ہوتے ہیں اور بالعموم وہ ایک دوسرے کے حق کا احترام کرتے ہیں۔ ہر پرندہ اپنا گھونسلا خود تعمیر کرتا ہے۔ کسی دوسرے کے گھونسلے میں قیام پسند نہیں کرتا۔ جنگلی جانور دوسرے جانوروں کے بھٹ میں داخل نہیں ہوتے۔ پالتو جانور تک اپنی کھرلی کو بڑی اچھی طرح پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ پر قبضے کی کوشش نہیں کرتے اور اگر کوئی دوسرا کرنے کی کوشش کرے تو اس پر زبردست جنگ کا امکان رہتا ہے۔

انسانوں کے مابین پیدا ہونے والے جھگڑوں کی ایک بڑی وجہ 'زمین' ہے۔ انسانوں کے قیمتی وسائل اور صلاحیتیں ان جھگڑوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ قومیں باہم برسرِ پیکار ہوتی ہیں تو نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

اسلام مسائل کو ان کی جڑ سے اکھاڑ دینے کا قائل ہے۔ ان تنازعات کی اصل اُس زمین کی محبت ہے جہاں انسان کا قیام بڑی مختصر مدت کے لیے ہے۔ اسلام انسانوں کو اس حقیقت کی جانب مسلسل متوجہ کرتا ہے کہ یہاں کیا جانے والا ہر عمل آخرت میں پیش ہوگا اور انھی اعمال کی بنیاد پر آخرت کے انجام کا فیصلہ ہوگا۔ لہٰذا انسان کوئی ایسا کام نہ کرے جس پر اس روز ندامت کا سامنا کرنا پڑے۔

زمین کی ملکیت کے بارے میں ایک تنازع پیش ہونے پر فیصلے سے قبل آپؐ نے ان الفاظ میں فریقین کو متنبہ فرمایا:

> ممکن ہے تم میں سے کوئی ایک اپنی قوتِ گفتار کی بنا پر فیصلہ پر اثرانداز ہو جائے لیکن اس طرح اگر کوئی شخص ایک ایسی چیز حاصل کر لیتا ہے جو درحقیقت اس کی نہیں ہے تو اسے زمین کا وہ ٹکڑا قیامت کے روز اپنے سر پر اٹھانا پڑے گا۔

یہ تنبیہہ ان سچے متبعین کے لیے کافی تھی۔ متنازعہ زمین لینا ایک کٹھن کام خیال کیا جاتا۔ ہر ایک اس طوق کو اپنی گردن سے اسی زندگی میں اتار دینا چاہتا۔

ملکیت کے اس حق کا احترام افراد کے لیے بھی ہے اور اداروں اور حکومتوں کے لیے بھی۔ جس طرح انفرادی ملکیت پر ناجائز قبضہ ناقابلِ قبول ہے' اسی طرح اجتماعی ملکیت پر بھی ناحق قبضہ حرام ہے۔ اجتماعی جگہ پر ناجائز تجاوزات نہ صرف دوسروں کے حق ملکیت میں دخل اندازی ہے بلکہ راستے کے حق کا اتلاف بھی ہے۔ ایک انچ جگہ بھی غلط طور پر اپنے گھر میں شامل کرنا یا عام افراد کے لیے ناقابلِ استعمال بنانا' ایک ایسا غلط کام ہے جس پر مواخذہ ہوگا۔

تعمیراتی تزئین و آرایش

جائز ذرائع سے مکان کی تعمیر اور اس کے رنگ روغن میں کوئی قباحت نہیں۔ بالخصوص جب اس کا مقصد موسم کی سختیوں سے بچاؤ اور گھر کی حفاظت ہو لیکن اسلام اسراف کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ مسرفین وہ لوگ ہیں جن سے ان کا رب کوئی محبت نہیں کرتا۔ گھروں کی ایسی تزئین و آرایش جس میں نمایش کا جذبہ ہو' ہرگز پسندیدہ نہیں۔ گھروں کو عیاشی کا مرکز و مظہر بنا دینا قطعاً مطلوب نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھروں کے معاملے میں ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سادگی کی تلقین فرماتے۔

لاحاصل تعمیرات

غیرضروری تزئین و آرایش سے اگلا قدم لاحاصل تعمیرات کا ہے۔ قرآن ایسی اقوام کا ذکر نہایت ناپسندیدگی سے کرتا ہے جن کا شیوہ یہ تھا کہ ہر اُونچے مقام پر ایک لاحاصل تعمیر بنا ڈالتے۔ سورۃ الشعرا میں ایسی اقوام کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

یہ تمھارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو' اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو' گویا تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔ (الشعرا ۲۶: ۱۲۸-۱۲۹)

اسی سورہ میں ثمود کے بارے میں ارشاد ہے:

کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان' جو یہاں ہیں' بس یونہی اطمینان سے رہنے دیے جاؤ گے؟ ان باغوں اور چشموں میں؟ ان کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے رس بھرے ہیں؟ تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور

میری اطاعت کرو۔ (الشعراء ۲۶: ۱۴۶-۱۵۰)

عاد اور ثمود دونوں عمارتوں کی تعمیر میں نام آور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اقوام کے جرائم کی فہرست میں ان کے اس انہماک کا خاص طور سے تذکرہ فرماتے ہیں۔ ان دونوں اقوام کو ان کے ایسے ہی جرائم کی پاداش میں تباہ و برباد کر دیا گیا۔

قرآنِ پاک میں جن امور کی محبت کو رب کریم کے ساتھ تعلق میں رکاوٹ قرار دیا گیا ہے ان میں بھی گھر شامل ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

اے نبیؐ، کہہ دو کہ اگر...... وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔ (التوبہ ۹: ۲۴)

گھر اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے لیکن اگر یہ نعمت بندے کو اپنے رب کا شکرگزار بنانے کے بجائے غفلت میں ڈالنے کا سبب بن جائے تو یہ اس کی انتہائی بدقسمتی ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک وسیع گھر کی دعا بھی مانگتے تھے اور گھروں میں انہماک اور تفاخر کا اظہار کرنے والی تعمیرات سے اظہار ناپسندیدگی بھی فرماتے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے:

- بغیر ضرورت کے تعمیر کی گئی عمارت میں کوئی بھلائی نہیں۔
- ہر عمارت اپنے مالک کے لیے مصیبت ہے سوائے اس کے جو کسی ضرورت کی تکمیل کے لیے تعمیر کی جائے۔
- جو شخص بغیر ضرورت کے تعمیر کرتا ہے قیامت کے روز اسے کہا جائے گا کہ وہ اس عمارت کو اپنے سر پر اٹھائے۔
- قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگ عمارتوں کی تعمیر میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔
- لاحاصل تعمیر پر خرچ ہونے والی رقم میں کوئی برکت نہیں۔
- ضروریات پر خرچ کی جانے والی رقم صدقہ ہے، جب کہ نمایش کی غرض سے خرچ کی جانے والی رقم میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ترمذی، تعلیمات اسلامی)

بے مقصد تعمیرات اسراف ہیں، وقت اور وسائل کا ضیاع۔ دنیا کی رہنمائی کے منصب پر فائز اُمت مسلمہ کس طرح اپنے وسائل لاحاصل مشاغل کی نذر کر سکتی ہے؟

بستیوں کی صورت حال

اسلام کے احکام اور رہنما ہدایات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہماری بستیوں کی وہ صورت حال ہو جس میں وہ اس وقت ہیں، مثلاً:

- سڑکیں اور گلیاں تنگ ہیں جنھیں باڑھ یا جنگلے لگا کر ناجائز تجاوزات کے ذریعے مزید تنگ کیا جاتا ہے۔
- پانی کے بہاؤ اور نکاسی کا نظام درست نہ ہونے کے باعث بارش وغیرہ کے نتیجے میں پانی سڑکوں پر کھڑا رہتا ہے۔
- گھروں کی تعمیر میں سڑک کے لیول کا خیال نہ رکھنے سے بھی پانی کے بہاؤ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔
- گٹر کھلے ہوتے ہیں۔ ان سے غلیظ پانی رِس رہا ہوتا ہے۔
- دیہاتوں میں نالیاں کھلی ہیں، ان کی صفائی کا کوئی انتظام نہیں۔
- خالی جگہوں پر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں جس سے بستیاں آلودہ ہوتی ہیں۔ مکھی، مچھر اور دیگر حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں اور صحتیں برباد ہوتی ہیں۔
- ناجائز تجاوزات کی تو اس قدر بھرمار ہے کہ ایک اندازے کے مطابق لاہور کی جدید بستیوں میں ۹۰ فی صد کے قریب گھر اس مرض کا شکار ہیں۔
- گھروں کی تعمیر میں روشنی اور ہوا کی آمدورفت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔
- گھروں کی تعمیر میں پردے کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ صحن یا چھتوں پر بیٹھنا کم ہوتا جا رہا ہے۔ تازہ ہوا اور روشنی جیسی عظیم الشان نعمتوں سے محرومی کئی مسائل کا باعث بنتی ہے۔

حرفِ آخر

گھر ہمارے رب کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جیسا کہ فرمایا گیا کہ جسے سر چھپانے کو گھر ملا' سفر کے لیے سواری ملی' اور صبح شام پیٹ بھر کر کھانا مل گیا' اس پر نعمتیں مکمل ہوگئیں۔ اللہ کی اس نعمت پر شکرگزاری کا تقاضا ہے کہ یہ گھر:

- اللہ کے دین کی خدمت میں مددگار رہوں۔
- ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے راستے میں جہاد سے روکنے والے نہ ہوں۔
- یہ تکبر اور فخر کی علامت نہ بن جائیں۔
- یہ اللہ کے بندوں کے لیے کسی اذیت کا باعث نہ ہوں۔
- پڑوسیوں کے لیے باعث آزار نہ ہوں کہ ان کی ہوا اور روشنی میں رکاوٹ ڈالیں۔ ان کے لیے بے پردگی کا باعث ہوں اور ہمارے گھروں کا شوروغل ان کے آرام میں خلل انداز ہو۔
- ان گھروں کی تعمیر کے لیے حاصل کردہ زمین میں ایک انچ بھی ناجائز طور پر حاصل کردہ نہ ہو۔ ان کی تعمیر میں مال حرام نہ استعمال ہو۔
- یہ گھر راستوں کی تنگی کا باعث نہ ہوں۔ بستیوں کے راستے کشادہ ہوں۔
- ہمارے گھر اور راستے صفائی' پاکیزگی اور نظافت کا عمدہ معیار رکھتے ہوں۔ یہ سادگی اور اسلامی شعار کے عکاس ہوں' نیز ہمیں اپنے رب کا شکرگزار بندہ بنانے والے ہوں۔

ان امور کا اگر خیال رکھا جائے تو پھر ہی یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ انسان اس روز کی جواب دہی سے بچ جائے جب نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا---!

امریکی حکمت عملی اور مسلم دنیا کا مستقبل

غور و فکر کے چند نکات

سلیم منصور خالد

استعماری دنیا کے اپنے اسالیب ہیں۔ طاقت کے بل پر اپنی پسند سے جسے چاہیں وہ ظالم قرار دے ڈالیں اور جسے چاہیں مظلوم کہہ گزریں۔ دنیا بہر حال اہل دانش اور اہل عدل سے خالی نہیں، لیکن حیرت اُن لوگوں پر ہوتی ہے جو ہر چڑھتے سورج کے پجاری بن کر حقائق کو جھٹلاتے ہیں، اپنے اور اپنی قوم کے خلاف وعدہ معاف گواہ بن کر، دانستہ اور نادانستہ طور پر دشمن ہی کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔ لیکن کیا کیجیے کہ گذشتہ ڈھائی سو سال کی مسلم تاریخ ہر آنے والا ظالم اور وعدہ معاف گواہ یہی کہتا ہے: ''میں اپنے مسلمان بھائیوں کو بچا رہا ہوں''۔

امریکی استعمار کا مسلط کردہ نام نہاد ''مسلم ہّوا'' غیر حقیقی ہونے کے باوجود، آج کے سیاسی اور سماجی منظرنامے پر پوری طرح چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ سب پروپیگنڈے کی کرشمہ سازی ہے کہ رائی کا پہاڑ بلکہ ہمالہ بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ پھر افغانستان اور عراق پر قیامت مسلط کی جاتی ہے اور اب پاکستان افغان سرحد پر ایک نیا میدانِ جنگ منتخب کرنا پیش نظر ہے۔

مغربی اقوام نے اپنے استعماری مقاصد کے لیے کھلے اور چھپے، بڑے نپے تلے اقدامات کیے اور آیندہ بھی کر رہے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے ایک امریکی رپورٹ ہے جو یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو ایوانِ نمایندگان میں پیش کی گئی۔ یہ رپورٹ کسی فردِ واحد کی بڑ یا کسی امریکیت زدہ دانش ور کا ذہنی بخار بھی نہیں ہے، بلکہ اسے ۱۵ رکنی ایڈوائزری (مشاورتی) گروپ نے مرتب کیا ہے، جس میں ۴ سابق امریکی سفیر، ۷ امریکی دانش ور اور ۴ مسلم نژاد امریکی شامل ہیں۔ اس رپورٹ کا عنوان ہے:

Changing Minds Winning Peace: a new strategic direction for US Public. Diplomacy in the Arab and Muslim World.

رپورٹ کے دیباچے سے پتا چلتا ہے کہ اس کی تشکیل ایوانِ نمایندگان کے ایما پر ہوئی۔ ایڈوائزری گروپ چیئرمین ایڈورڈ پی ڈجرجین (Edward P. Djerejian) کے بقول: میں وزیرخارجہ کولن پاول کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے گروپ کو اپنے مشن کی تکمیل کے لیے بھرپور اعانت فراہم کی۔ مزید برآں حکومت امریکا کے اعلیٰ سرکاری حکام نے نہ صرف واشنگٹن میں بلکہ میدانِ عمل میں بھی ہماری مدد کی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ رپورٹ [امریکا کی] اسٹرے ٹیجک سمت کے تعین کے لیے نہایت بنیادی اور نازک خطوط متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ (ص ۵-۷)

۸۰ صفحات کی یہ رپورٹ سات حصوں پر مشتمل ہے جس کا مطالعہ مسلم دنیا کے حکمرانوں، صحافیوں، سیاست دانوں، دانش وروں اور اساتذہ کرام کو ضرور کرنا چاہیے۔ رپورٹ کے مرتب کنندگان نے مصر، شام، ترکی، سینی گال، مراکش، برطانیہ اور فرانس کا دورہ کیا، جب کہ پاکستان اور انڈونیشیا میں ویڈیو کانفرنسوں اور سفارتی اور دیگر ذرائع سے معلومات حاصل کیں۔

چند موضوعات پر رپورٹ کے کچھ حصوں کا ترجمہ اہل دانش کے مطالعے کے لیے پیش خدمت ہے:

○ ''بیرون امریکا فوجی قوت کو بڑھا کر، دوسری حکومتوں سے مضبوط ڈپلومیٹک تعلقات قائم کرکے ہمیں اس جنگ میں مدمقابل دشمن کے مالی ذرائع اور وسائل کا گلا گھونٹ دینا چاہیے''۔ (ص ۱۵)

○ ''اگر ہم نے اپنے وجود کی وضاحت نہ کی تو خود انتہا پسند [مسلمان] ہمارے وجود کے خدوخال بیان کردیں گے۔ مثال کے طور پر ہم العربیہ سیٹلائٹ ٹی وی پر ایک پروگرام دیکھ رہے تھے جس کا عنوان تھا: ''اسلام کو امریکیا نے کا عمل''۔ کہا جا رہا تھا کہ امریکا ۱۵۰۰ سال پرانے مذہب [اسلام] کا حلیہ بگاڑنے کا شیطانی عمل کر رہا ہے، جب کہ وہاں امریکا کا نقطۂ نظر پیش کرنے کے موقعے سے ہم لوگ تو محروم تھے۔ حالانکہ انصاف کا تقاضا ہے کہ امریکا کو مسلم، عرب دنیا میں اپنے موقف کی

وضاحت کے لیے پورے جوش وخروش سے مقابلے کے لیے موجود ہونا چاہیے''۔ (ص۱۵، ۱۶)

○ ''عرب اور مسلم دنیا، بلکہ یورپی ملکوں میں بھی امریکا کو رائے عامہ کے شدید ردعمل کا سامنا ہے۔ اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے معلومات اور پروپیگنڈے کو پوری قوت سے پھیلانا [امریکی] قومی سلامتی کا نہایت لازمی ہتھیار رہے'' (ص۲۰)

○ ''رائے عامہ کو زیراثر لانے کا سب سے موثر ذریعہ ٹی وی ہے۔ لیکن عرب اور مسلم دنیا میں اثرانداز ہونے اور امریکی پالیسیوں کی تائید وحمایت حاصل کرنے کے اس ذریعے کو ہم استعمال نہیں کر پا رہے۔ اگرچہ امریکا کو بیرونی دنیا کی رائے عامہ کے دباؤ میں آکر اپنی پالیسیوں کو تبدیل نہیں کرنا چاہیے...... بلکہ ہمیں امریکی اقدار وتصورات کے مطابق عرب اور مسلم دنیا کی فکری تشکیل کر کے امن کی دنیا میں وسعت لانا ہے (ص۲۳)...... جس کے لیے [وہاں کے] تعلیمی نظام، نجی اور آزاد ذرائع ابلاغ کی ترویج، معاشرتی سرگرمیوں میں [مسلم] عورتوں اور اقلیتوں کی بھرپور شرکت کا اہتمام کرنا ہوگا'' (ص۲۳)......

○ ''عرب اور مسلم دنیا کے برسرِاقتدار گروہوں اور افراد کی پشت پناہی، امریکی اقدار کے منافی ہے، لیکن سردست ہمیں اسی راستے کو اختیار کیے رکھنا ہے''۔ (ص۲۳)

○ ''مسلم دنیا عجب فکری تضاد کا شکار ہے۔ وہ کہتے ہیں: امریکی اچھے ہیں، لیکن امریکی حکومت اچھی نہیں ہے'' حالانکہ یہ حکومت خود امریکیوں ہی نے تو منتخب کی ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان ایسا فرق کرنا ایک غیرمنطقی بات ہے۔ بہرحال ہمیں اس تاثر سے فائدہ اٹھانا چاہیے جو ہماری اقدار کے بارے میں مثبت سوچ پر مبنی ہے''۔ (ص۲۴)

○ ''امریکی حکومت ہر سال نصف ارب ڈالر عالمی ذرائع ابلاغ (ریڈیو وغیرہ) پر خرچ کرتی ہے۔ ۱۹۴۲ء سے وائس آف امریکا (VOA) کا آغاز ہوا۔ سرد جنگ کے زمانے میں ''ریڈیو فری یورپ'' اور ''ریڈیو لبرٹی'' نے امریکی ایجنڈے کی تکمیل میں بڑی مدد کی۔ وائس آف امریکا کی سروس ۵۰ ملکوں کے لیے ہے، تاہم اس میں عربی شامل نہیں۔ اب ریڈیو اور ٹی وی مارٹی: کیوبا کے لیے، ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی: سابق اشتراکی روس، بلقان اور افغانستان کے لیے۔ ریڈیو فری ایشیا: چین، کمبوڈیا، برما کے لیے۔ ورلڈ نیٹ: انگریزی میں عالمی سیٹلائٹ نیٹ ورک۔ ریڈیو فردا:

ایران کے لیے، جب کہ ریڈیو ساوا: عرب دنیا کے لیے ہے، جس نے عرب نوجوان نسل کو موسیقی کے ذریعے اپنا گرویدہ بنایا ہے۔ اسی نیٹ ورک نے اُردن، کویت، دوبئی، قطر، بحرین، جبوتی اور عراق کے لیے ایف ایم سروس کا اجرا کیا ہے اور اے ایم سروس کے ذریعے مصر، غزہ، شام، لبنان وغیرہ کو مخاطب کیا ہے۔ عرب دنیا کو مخاطب کرنے کے لیے مڈل ایسٹ ٹیلی وژن نیٹ ورک (METN) کا آغاز کیا جا رہا ہے، جس پر ۲۰۰۴ء میں ۳۷ ملین ڈالر خرچ ہوں گے۔ (ص ۲۸-۳۲)

○ "تعلیم وہ شعبہ ہے جہاں پر امریکا کے عرب اور مسلم دنیا سے ہمارے مفادات مشترک دکھائی دیتے ہیں، لیکن امریکا اس اہم ذریعے کو خاطرخواہ طریقے سے استعمال نہیں کر سکا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تعلیم کے کلیدی پروگراموں کا اجرا، اور وظائف کے لیے رقوم کی فراہمی، مسلم دنیا میں مستقبل کی قیادت کو ہم رنگ بنانے میں بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ عربوں اور مسلمانوں کے تعلیمی اداروں سے تعلقات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر مالی وسائل فراہم کیے جائیں، اور ان اداروں سے امریکی تعلیمی اداروں کا تعلق جوڑنے کی راہیں تلاش کی جائیں۔ آج مسلم دنیا، امریکا کے بارے میں بہت بری رائے رکھتی ہے، لیکن دوسری طرف امریکی تعلیم کے حوالے سے مثبت سوچ پائی جاتی ہے۔ ہمیں اس سوچ سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، جس میں ہم ایک جانب تو ان کے نصابِ تعلیم کو بہتر بنائیں اور دوسری جانب انھیں امریکا میں تعلیم کے مواقع فراہم کریں" (ص ۳۴)...... ہم شرق اوسط میں امریکی یونی ورسٹیوں کی کارکردگی سے بہت متاثر ہوئے ہیں، جنھوں نے کھلی سوچ اور عالمی اقدار کی ترویج کے لیے بے پناہ کام کیا ہے۔ انھوں نے ایسے عرب مردوں اور عورتوں کو تعلیم و تربیت فراہم کی ہے، جو رائے عامہ کی تشکیل اور ان معاشروں میں قیادت کے مناصب پر فائز ہوں گے۔ امریکی یونی ورسٹی بیروت، امریکی یونی ورسٹی قاہرہ اور لبنانی امریکی یونی ورسٹی نجی دائرے میں قائم ہیں، جہاں چھے چھے ہزار لڑکیوں کو تعلیم دی جا رہی ہے، اور یہ قابلِ قدر تعلیمی ادارے، عرب مسلم دنیا میں امریکی اقدار کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان تعلیمی اداروں کی مضبوطی اور وسعت ان علاقوں کے تعلیمی ڈھانچے پر اثرانداز ہوگی، جس میں یونی ورسٹی تعلیم کو معاشرے کی تبدیلی میں ایک عامل کا کردار ادا کرنا ہے۔ اندریں حالات یہ

ایڈوائزری گروپ سفارش کرتا ہے کہ عرب اور مسلم دنیا میں امریکی تعلیمی اداروں کی تعمیر' تشکیل اور وسعت پر بھرپور توجہ دی جائے' تاکہ امریکی قومی مفادات کو تحفظ دیا جاسکے۔ تعلیمی میدان میں طویل المیعاد سطح پر' سب سے زیادہ اثرانداز ہونے والی چیز اس [مسلم' عرب] خطے کے طالب علموں کو وظائف کی فراہمی ہے۔ عرب' مسلم دنیا کی قیادت پر فائز غالب اکثریت' امریکی یونی ورسٹیوں کی فارغ التحصیل ہے' اور یہ امر باعث مسرت ہے کہ ان میں سے بڑی تعدد نے امریکی وظائف پر ہی تعلیم حاصل کی۔ مگر افسوس کہ اب یہ وظائف ۲۰ ہزار سے کم ہوکر صرف ۹۰۰ رہ گئے ہیں (ص ۳۵)...... ہم سفارش کرتے ہیں کہ عرب' مسلم اور امریکی یونی ورسٹیوں میں نہ صرف باہم مشترک منصوبے شروع کیے جائیں' بلکہ تعاون کے مختلف میدانوں میں بھی ہاتھ بٹایا جائے' جس میں نصابی کتب کی تشکیل' طریق تدریس اور امتحانی طریق کار شامل ہیں۔ مناسب ہوگا کہ یہ کام ہائی اسکول کی سطح پر ہی سے شروع کیا جائے۔ اس طرح مسلم دنیا کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں [ہمارے نقطۂ نظر سے] تنقیدی سوچ کے ساتھ معاشی' سماجی اور سیاسی امکانات پیدا ہوں گے (ص ۳۴)...... امریکا کو مسلم' عرب دنیا میں تعلیمی آزادی کے سوال پر بڑا پختہ موقف اختیار کرنا ہوگا۔ ہمیں باہم تعاون کے جن شعبوں میں خصوصی معاہدے کرنے چاہییں' ان میں صحافت' میڈیا' کاروباری انتظامیات اور طب شامل ہیں۔ ہماری جانب سے 'طلبہ ویزوں' کے اجرا میں زبردست کمی کوئی اچھا اقدام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر پاکستانی طلبہ کے لیے ویزے میں دوتہائی کمی کی گئی ہے۔ مسلم دنیا کے دوسرے ملکوں کے بارے میں یہی پالیسی ہے۔ اس رجحان کو ختم کرکے برق رفتاری سے طلبہ کو امریکا میں تعلیم کے مواقع فراہم کرنے چاہییں۔ یہی چیز ہمارے قومی مفادات کے حق میں جاتی ہے (ص ۳۵)...... اسی طرح ہمیں مسلم دنیا کی یونی ورسٹیوں یا ان کے قرب و جوار میں ''امریکن کارنر'' کھولنے چاہییں' جہاں [مسلم] نوجوان نسل ہمارے رسائل' کتب' انٹرنیٹ' فلموں' موسیقی اور دیگر اعانات سے ہمارے نقطۂ نظر کو سمجھ سکیں گے (ص ۳۷)...... پھر ہمیں ''امریکن رومز'' بنانے چاہییں جہاں ۱۶ سے ۲۵ سال کی عمر کے نوجوان [مسلمان] امریکا کی اچھی قدروں (آزادی' کثرتیت' آزادروی' معاشرت' نئے مواقع اور اظہار ذات) کی لذت چکھ سکیں گے (ص ۳۸)...... مسلم دنیا کے خصوصاً اعلیٰ طبقے' اساتذہ اور طالب

علموں میں امریکی مطبوعات کی بڑی مانگ ہے' جس سے ہمیں استفادہ کر کے اپنے مفادات کے حصول کے لیے پہنچنا چاہیے۔ اسی طرح ہمیں مقبول عام مطبوعات کی طرف بھی توجہ دینا ہوگی۔ مثلاً امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے عربی فیشن میگزین 'ہائی' (HI) کو عرب نوجوانوں میں خاص مقبولیت حاصل ہے...... ہمارے اسٹرے ٹیجک مفادات کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے کتب بڑا اہم کردار ادا کریں گی۔ عربی اور مسلم مقامی زبانوں میں ترجمے کے لیے ہر سال ایک ہزار ایسی کتابوں کا ترجمہ مفید ہدف رہے گا۔ یہ کام [مسلم دنیا میں] مقامی سطح پر نجی شعبے کی شراکت سے کرنا مناسب ہوگا۔ اس سے ہم ان لوگوں کے تصورات کو درست کر سکیں گے''۔ (ص ۳۹)

○ ''انفارمیشن ٹکنالوجی میں انٹرنیٹ ایک نہایت طاقت ور ذریعہ ہے۔ عرب' مسلم معاشروں میں خاص طور پر عورتوں کی 'نیٹ' تک رسائی کے راستے میں متعدد رکاوٹیں ہیں۔ نئی نسل کے لڑکے لڑکیوں کو انٹرنیٹ کی بھوک بری طرح اپنی جانب کھینچ رہی ہے اور ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں میں آدھی آبادی ۱۷ سال سے کم عمر کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ اندریں حالات ان میں انٹرنیٹ تک بڑے پیمانے پر رسائی کے لیے امکانات پیدا کرنا' امریکی ثقافت اور اقدار کو مسلم معاشروں میں پیوست کرنے میں خصوصی طور پر معاون ثابت ہوگا (ص ۴۰)۔ امریکی حکومت کو انٹرنیٹ کو عرب' مسلم دنیا کے عوام میں پھیلانے کے لیے لگن سے کام کرنے کا منصوبہ بنانا چاہیے۔ یہ سہولت صرف شہروں تک محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ اسے ان دیہات تک بھی پہنچا دینا چاہیے' جہاں امریکا مخالف جذبات نسبتاً کم ہیں۔ اس ضمن میں این جی اوز سے مدد لی جانی چاہیے (ص ۴۲)۔ ہمیں انٹرنیٹ اور کمیونی کیشن ٹکنالوجی کی ترویج کے لیے بجٹ کا عظیم حصہ مختص کرنا ہوگا''۔ (ص ۷۰)

○ ''ہمیں امریکی مفادات کے تحفظ اور مضبوطی کے لیے عرب' مسلم دنیا کی مقامی این جی اوز کی بھرپور مدد اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ یہی رضا کار تنظیمیں ان معاشروں سے انتہا پسندانہ سوچ کے خاتمے اور آزاد روی کو پروان چڑھا سکتی ہیں۔ انھی این جی اوز سے ہم ان [مسلم] معاشروں کے قلب (core) تک پہنچ سکتے ہیں' جہاں سے ہمیں اپنے (مقامی) اتحادی مل سکیں گے۔ ان این جی اوز کو زیادہ تر نوجوانوں اور عورتوں پر انحصار کرنا چاہیے' اور امریکا کی این جی اوز سے مضبوط روابط قائم کیے جانے چاہییں۔ یہ ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لیے مضبوط قلعے

ثابت ہوں گے۔ ہماری اس پہل قدمی سے ان [مسلم' عرب] معاشروں میں ایک نیا طبقہ وجود میں آئے گا' جو ان ملکوں کے سیاسی اور سماجی توازن کو تبدیل کرنے کا پیش خیمہ ہوگا''۔ (ص ۵۳' ۵۴)

○ ''ہماری کامیاب قومی ڈپلومیسی سے متعلق حکمت عملی کا بہت زیادہ انحصار انگریزی زبان کی تدریس پر بھی ہے۔ اس ضمن میں برٹش کونسل' امریکی لینگویج سنٹرز' فل برایٹ پروگرام اور وائس آف امریکا نے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ اگر ہم نے اس پروگرام سے پہلوتہی برتی تو [مسلم] معاشروں پر اثرانداز ہونے کا ایک نہایت قیمتی موقع ضائع کر دیں گے۔ بلاشبہہ ان معاشروں میں قدامت پسندوں کی جانب سے اس طرح مزاحمت جاری رہے گی کہ: ''انگریزی سیکھنے سے ان کی مقامی زبان' ان کی تہذیب وثقافت اور مذہبی قدروں کو خطرہ لاحق ہو رہا ہے''۔ اس مزاحمت کے علی الرغم ہمیں انگریزی کی تدریس عامہ کے لیے ایک وسیع پروگرام پر بڑی رقم خرچ کرنا ہوگی۔ جس میں اولین قدم کے طور پر ان ملکوں کے تعلیمی اداروں میں لسانی تربیت کے لیے امریکی ماہرین بھیجنا ہوں گے۔ یہ امریکی ماہرین ہماری قومی ڈپلومیسی کے فہم سے آراستہ ہونے چاہییں جو وہاں جا کر نصاب سازی اور افراد سازی کریں''۔ (ص ۵۰' ۵۱)

○ ''۱۹۴۰ء میں راک فیلر نے لاطینی امریکا کے صحافیوں کو دعوت دی' اس کے بعد سے اب تک امریکی سرکاری پالیسی' فل برایٹ پروگرام اور ہمفرے پروگرام کے تحت تقریباً ۷ لاکھ افراد کو تبادلہ دانش کے پروگرام میں امریکا آنے میں مدد ملی ہے۔ اس وقت بقول کولن پاول: انٹرنیشنل وزیٹر پروگرام (IVP) سے استفادہ کرنے والوں میں ۳۹ سربراہان ریاست شامل ہیں (ص ۴۶)۔ اسی طرح انٹرنیشنل ملٹری ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ (IMET) نے عرب' مسلم دنیا کے ایک ہزار سے زاید فوجی افسروں کو تربیت دی۔ آئی ایم ای ٹی ایک طاقت ور پروگرام ہے جو دنیا میں مستقبل کے لیڈروں کی تربیت کرتا ہے''۔ (ص ۴۷)

— اگر ہم بالترتیب ان نکات پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امریکی پالیسی سازوں کا پورا زور میڈیا' تعلیم' این جی اوز اور انگریزی زبان پر ہے:

— یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک طرف اربوں ڈالر کی یلغار اور خود مسلمان ملکوں کے

حکمرانوں کے ہاتھوں میں مقبوضہ قومی وسائل ہیں اور دوسری جانب ''نادیدہ دشمن'' اور بڑی حد تک ''تخیلاتی مخالف'' کے وسائل کا حال کسی موازنے کی بنیاد بنتا دکھائی نہیں دیتا۔ مگر ان کے مالی وسائل کو سلب کرنے کا جنون عروج پر ہے۔

— پروپیگنڈا میں بے بسی کی بات وہ کہہ رہے ہیں جنھوں نے زمین و آسمان سے یک طرفہ اور منفی پروپیگنڈے کا طوفان برپا کر رکھا ہے۔ افغانستان اور عراق کے حوالے سے خود ان کے ذمہ دار کہہ رہے ہیں کہ یہ سب کچھ بے بنیاد افسانے کے بل بوتے پر کیا گیا۔ انسان سوچتا ہے کہ مادی ذرائع کی فراوانی اور الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر بھرپور کنٹرول کے باوجود' یہ کیسی عالمی طاقت ہے جو رائے عامہ سے خائف ہے۔

— مسلم دنیا کے حکمرانوں کو جان لینا چاہیے کہ یہ اقتدار انھیں ''اللہ کی طرف سے انعام'' کے طور پر نہیں' بلکہ امریکی واستعماری طاقتوں کی نیازمندانہ رفاقت کے عوض ملا ہے۔

— مخصوص پروپیگنڈا اور میوزک کے بخار سے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کا امریکی منصوبہ اپنے اندر عبرت کے بڑے سبق رکھتا ہے۔ خود ہمارے ہاں کیبل سروس' نجی ٹی وی نیٹ ورک' ایف ایم سروس بھی کسی نہ کسی درجے میں اسی ایجنڈے پر عمل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان ذرائع ابلاغ کی گرفت' ابلاغیات کی دیگر تمام اقسام سے زیادہ پراثر اور گمراہ کن ہے۔

— تعلیم کے میدان میں امریکی منصوبہ سازوں کی حریصانہ بے چینی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھیں جیکب آباد ''شہباز بیس'' سے بھی زیادہ ضرورت تعلیم کے نام پر سامراجی عزائم کے حلیف ان فکری امریکی اڈوں کی ہے۔ یہ ایک درست قول ہے کہ: امریکی یونی ورسٹی بیروت نے عرب دنیا کے فکری' دینی اور سماجی مستقبل کو متاثر کرنے کے لیے وہ کام کیا ہے جو بہت سی مغربی حکومتیں بھی نہ کرسکتی تھیں''۔ آج پاکستان میں ایف سی کالج پر امریکی کنٹرول کی بحالی' نجی شعبے میں نام نہاد انگریزی میڈیم کی گرفت اور پھر آیندہ پاکستان بھر کے ثانوی و اعلیٰ تعلیمی بورڈوں کو آغا خان فاؤنڈیشن کے قبضے میں دینے کی تجاویز' انھی سامراجی اور مسلم کش منصوبوں کا حصہ ہیں' جن کے بارے میں اہل دانش ہوشیار رہنے کی دہائی دے رہے ہیں' مگر مغرب سے زیادہ مغرب کے وفاداروں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر ''تعلیمی آزادی'' کا مطلب اگر سمجھنا

ہو تو لاہور سے شائع ہونے والے Journal South Asia کے شمارہ ۲ (دسمبر ۲۰۰۳ء) کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، جس میں اے ایچ نیر نے ''پاکستان میں نصاب کی اسلامائزیشن'' (ص ۷۱-۸۷) میں دین، اخلاق، پاکستانیت، دوقومی نظریہ ہر ایک چیز کو نصاب سے کھرچ ڈالنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اور یہ رسالہ سفما (ساؤتھ ایشین فری میڈیا ایسوسی ایشن) کی پیش کش ہے۔ مستقبل میں شارجہ اور دوبئ کو امریکی یونی ورسٹی کی شاخوں کے ذریعے آباد کرنے اور ''دانش کے شہر'' آباد کرنے کے منصوبوں پر بڑی برق رفتاری سے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔

-- مسلم دنیا کی عورتوں، تعلیم اور اقلیتوں کا مسئلہ امریکی استعمار کے لیے کسی انسانی مسئلے سے زیادہ، خود امریکی ''اقدار و تصورات'' کے پھیلاؤ اور مذموم سامراجی مقاصد کے حصول کا ایجنڈا ہے۔ دیکھا جائے تو حقوق اور عورتوں وغیرہ کے نام پر قائم شدہ مغربی مفادات کی محافظ نظریاتی این جی اوز کا بنیادی ہدف کسی فرد کی دست گیری سے زیادہ مسلم تہذیبی اقدار کو ہدف بنانا، اسلامی نظریاتی اصولوں پر تنقید کرنا، خاندانی نظام کی توڑ پھوڑ اور آخر کار اباحیت پسندی اور تشکیک کے کانٹے بونا ہے۔ ہم اپنے اردگرد مخصوص این جی اوز کو واقعی امریکی مفادات کے مضبوط قلعے (سٹرانگ ہولڈز) کے طور پر کام کرتا دیکھ سکتے ہیں۔ پاکستان میں انھی این جی اوز کو پاکستان کی وفاقی وزارت میں نمایندگی اور قومی وزارتوں میں منصوبہ سازی کے لیے کلیدی رول مل چکا ہے۔ علما، اہل دانش اور محب وطن ارکان اسمبلی غالباً ان گہری جڑوں سے نمو پانے والے کانٹوں سے پوری طرح باخبر نہیں ہیں، اور جو اس کے ہولناک نتائج کا شعور رکھتے ہیں، ان کی زبانوں پر گوناگوں مفادات کے قفل لگے ہوئے ہیں۔

-- ایک جانب تو اپنی قومی زبان سے پہلوتہی اور ترقی کے نام پر انگریزی کی جانب پیروجواں اور مرد و زن کی لپک ہے اور دوسری طرف صیاد، دانہ و دام لیے انھیں اور ان کے مستقبل کو شکار کرنے کے درپے ہیں۔

امریکی ایوان نمایندگان کی اس رپورٹ میں مسلم دنیا کی مسندِ اقتدار اور مسندِ دانش پر بیٹھے افراد کے لیے غور و فکر اور اُمت کے مفاد میں حکمت عملی تجویز کرنے کا بھرپور چیلنج موجود ہے۔ اہل دانش اور عوام کے لیے اس میں سوچ وبچار کے بڑے نکات ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے زمین کو مشرق و مغرب سے سمیٹ کر میرے سامنے پیش کیا۔ اور عن قریب میری اُمت زمین کے اُس پورے حصّے پر حکمراں ہوگی جو میرے سامنے پیش کیا گیا۔ (مسلم)

افغانستان' مصائب ومشکلات اور امکانات

ڈاکٹر محمد ساعد°

افغانستان ہمارا پڑوسی اسلامی ملک ہے۔ تقریباً ۲ ہزار میل تک ہماری مغربی سرحد اس کے ساتھ ملتی ہے۔ اس سرحد کے دونوں جانب ایک جیسے قبائل آباد ہیں' جن کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں اور جو بلا روک ٹوک آتے جاتے ہیں۔ افغانستان کے ساتھ ہمارے تاریخی' نسلی اور مذہبی روابط بھی ہیں۔ افغانستان میں حالات خراب ہوں گے تو لازماً اس کا اثر پاکستان پر پڑے گا۔ وہاں اقتصادی اور معاشی خوش حالی ہوگی تو اس کے اچھے اثرات سے بھی پاکستان فیض یاب ہوگا۔ افغانستان کی بیشتر تجارت پاکستان کے راستے سے ہوتی ہے۔

پاکستان نے روسی حملہ آوروں کے خلاف افغان جہاد میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ روسی جارحیت کے نتیجے میں ۳۰ لاکھ سے زائد افغان باشندے ملک بدر ہوئے تو پاکستان نے اسلامی اخوت کے جذبے اور کھلے دل کے ساتھ اپنے افغان بھائیوں کو خوش آمدید کہا' اور ان کے لیے ہر قسم کے وسائل مہیا کیے۔ ان میں سے ۱۰ لاکھ سے زائد افراد اب بھی پاکستان میں رہایش پذیر ہیں۔ اگر پاکستان انھیں بوجھ یا کسی غیر قوم کے افراد سمجھتا تو کب کا انھیں پاکستان سے نکال چکا ہوتا۔ روسی افواج کی شکست کے بعد بھی پاکستان نے افغانستان کی سیاسی صورت گری میں مدد کی۔ مہاجرین کے مختلف دھڑوں میں صلح وصفائی اور مجاہدین کی حکومت کی تشکیل میں پاکستان نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ طالبان حکومت کو بھی پاکستان کا تعاون حاصل رہا ہے۔

° سینیئر' چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل اسٹڈیز' پشاور

طالبان کے پانچ سالہ دورِ حکومت میں ہماری شمال مغربی سرحدات ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہیں۔ امن وامان کا یہ دور امریکی اور اتحادی افواج کے حملوں نے تہس نہس کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آباد اور پُر رونق شہر ملبے کے ڈھیر بن گئے۔

اس وقت افغانستان امریکی افواج کے شکنجے میں ہے۔ امن وامان کی صورتِ حال' سرحدی تنازعات' بھارتی سفارت کاروں کی بڑھتی ہوئی تخریبی سرگرمیاں' معیشت کی مکمل تباہی' پوست کی کاشت اور بڑے پیمانے پر افیون کی تجارت' امریکی اور اتحادی افواج کے آپریشن' وہ تشویشناک عوامل ہیں جن کے اثرات سے کوئی پڑوسی ملک بالخصوص پاکستان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

طالبان کے بعد صورت حال

طالبان حکومت کوئی مثالی اسلامی حکومت نہیں تھی۔ امور مملکت کے بہت سارے شعبوں میں ناواقفیت اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ان سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے دورِ حکومت میں ملک میں مکمل امن وامان تھا' ۹۰ فی صد علاقہ ان کے زیرِاثر تھا۔ سڑکیں اور شاہراہیں کھلی ہوئی تھیں۔ دِن رات مسافر گاڑیاں اور ٹرک' ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بغیر کسی مزاحمت یا رکاوٹ کے آ جا سکتے تھے۔ مقامی سرداروں کے ٹول ٹیکس اور پرمٹ کا نظام ختم ہو چکا تھا۔ عوام نے ہر قسم کا اسلحہ رضا کارانہ طور پر حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ امن عامہ کو تباہ کرنے والے مجرموں کو عبرت ناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ وار لارڈز کا کوئی وجود نہیں تھا۔ پوست کی کاشت پر مکمل پابندی تھی۔ لوگ اپنی مرضی اور خوشی سے زکوٰۃ اور عشر ادا کرتے تھے۔ قحط سالی کی وجہ سے ملک میں غلے کی کمی تھی لیکن اس کے باوجود بدنظمی یا لوٹ مار کے واقعات نہیں ہوتے تھے۔ بیرونی امدادی اداروں کو تحفظ حاصل تھا۔ دور دراز علاقوں میں بھی لوگوں کی جان' مال اور عزت و آبرو محفوظ تھی۔ ہر طبقے کو عدالت تک رسائی حاصل تھی اور انصاف ملتا تھا۔ یہ سب ثمرات اور بھائی چارے کا عظیم الشان ماحول اسلامی تعلیمات کے نفاذ کی برکت سے تھا۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ پورا ملک لسانی' نسلی' قبائلی' شہری' دیہاتی' امیر و غریب جیسے تعصّبات میں مبتلا ہے۔ پشتون قبائل جو شمالی صوبوں میں عرصہ دراز سے آباد تھے' اُنھیں ملک بدر کیا گیا ہے۔ ان کی کل تعداد ۶۰ ہزار بتائی جاتی ہے اور وہ اس وقت کابل کے مضافات میں عارضی کیمپوں میں قیام پذیر ہیں۔ اسی طرح کابل' مزارشریف اور ہرات کے شہری علاقوں میں مکانات کے جائز مالکان کو زبردستی بے دخل کیا گیا ہے۔ طالبان سے پہلے مختلف ادوار میں قتل و غارت گری' لوٹ مار اور جھگڑا و فساد کا بازار گرم رہا مگر طالبان کے دور میں عدل و انصاف کی وجہ سے یہ تمام تنازعات اور قبائلی دشمنیاں خوش اسلوبی سے طے ہونے لگیں۔ اس وقت متحارب خاندانوں اور قبیلوں کو انصاف دِلوانا' اور ان کے درمیان صلح صفائی کروا کر اسلامی بھائی چارے کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہی نہیں بلکہ اس کے بغیر افغانستان میں امن و امان قائم ہوسکتا ہے نہ ترقیاتی کام شروع کیے جاسکتے ہیں۔ اس وقت افغانستان میں بیوہ خواتین' یتیم بچے' معذور اور بے سہارا افراد لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ اِن کی گزر بسر امدادی اداروں کی مدد اور تعاون پر منحصر ہے۔

امن و امان کی حالت

افغانستان میں امن و امان کی صورت حال کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ افغانستان کے چار صوبوں' یعنی نیمروز' اروزگان' ہلمند اور زابل میں عالمی ادارے اور تمام این جی اوز کے دفاتر بند کر دیے گئے ہیں اور ان کی ساری امدادی سرگرمیاں معطل ہیں۔ اقوام متحدہ کے سکیورٹی کوارڈینیٹر نے اس علاقے کو ہائی رسک زون قرار دِیا ہے جس کی بنیادی وجہ یہاں کے جنگی سردار ہیں۔ کابل شہر سے دور کے علاقوں میں ان کا راج ہے۔ ان کی اپنی فوج ہے۔ جس کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ۵ لاکھ سے زیادہ ہے۔ ان کی اپنی جیلیں ہیں جن میں سیکڑوں پاکستانی عرصہ دو سال سے سڑ رہے ہیں اور انھیں حامد کرزئی کے اعلانات کے باوجود رہا نہیں کیا گیا۔ مرکز کا کنٹرول برائے نام ہے حتیٰ کہ ٹیکس وصولی مقامی جنگی سردار اپنی قوت بازو سے خود کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں سکول ہیں نہ ہسپتال' سڑکیں ہیں نہ بجلی کا انتظام۔

یہی جنگی سردار امریکی افواج کی پشت پناہی اور سرپرستی میں منشیات کا کھلم کھلا کاروبار

کرتے ہیں۔ ان کو بھارت' ایران اور روس کے زیر اثر وسطی ایشیائی ممالک کی آشیر باد بھی حاصل ہے۔ اِن جنگی سرداروں ہی کی مدد سے امریکا نے طالبان حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجائی ہے اور اب انھی کے تعاون سے مجاہدین کو کنٹرول کیا جارہا ہے۔ اِن کے زیر اثر علاقے ایران' ترکمانستان' تاجکستان اور ازبکستان سے ملے ہوئے ہیں۔ اس لیے اپنے معاملات براہ راست امریکا اور وسط ایشیا کے ممالک سے طے کرتے ہیں اور دوسرے ممالک سے فوجی اسلحہ اور سازوسامان بھی آسانی سے حاصل کرسکتے ہیں۔ ان علاقوں میں حکومت کے واضح احکامات کے باوجود وسیع پیمانے پر پوست کی کاشت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۲۰۰۲ء میں ۳۴۲۲ ٹن افیون پیدا ہوئی جو دنیا کی کل افیون پیداوار کا ۷۵ فی صد ہے۔ یہ سردار اپنے اپنے حلقۂ اثر کو بڑھانے کے لیے ایک دوسرے سے باہم برسرپیکار رہتے ہیں۔ عرصہ دو سال سے شمالی اتحاد کے جمعیت اسلامی کے جنرل عطا اور جنبش ملی کے جنرل عبدالرشید دوستم وقفے وقفے سے لڑتے رہے ہیں جن میں ہزاروں بے گناہ شہری ہلاک ہوئے ہیں۔

بے اطمینانی کی بڑی وجہ افغانستان میں طالبان اور ان کے حامی عناصر کے خلاف امریکی اور افغان فوج کا ظالمانہ اور سفاکانہ آپریشن ہے۔ ڈیڑھ سال قبل امریکی بی-۵۲ طیاروں نے ایک قافلے پر بمباری کی جو کرزئی کو مبارکباد دینے کے لیے کابل جارہا تھا۔ گذشتہ سال ایک بارات پر فائرنگ کے نتیجے میں ۴۸ بے گناہ افراد شہید ہوئے۔ نومبر میں صوبہ کنٹر کے سابق گورنر غلام ربانی کے گھر پر امریکی طیاروں نے بمباری کی جس کے نتیجہ میں آٹھ افراد ہلاک ہوئے۔ اس واقعے سے معاشرے کا بڑا طبقہ امریکی اور اتحادی افواج کا مخالف ہوگیا ہے اور عام لوگ بھی امریکا سے نفرت کرنے لگے ہیں۔

امریکہ کے خلاف متحدہ محاذ کا قیام

طالبان حکومت کو ختم ہوئے دو سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے لیکن اس کے اثرات اب بھی افغانستان کے طول و عرض میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ طالبان ایک غیر ملکی ٹولے کی حکومت نہیں تھی بلکہ عوام میں اُن کی جڑیں تھیں۔ اس کو اب بھی افغانستان کی کثیر آبادی کی تائید اور حمایت

حاصل ہے۔ اس وقت امریکی افواج کی مزاحمت صرف طالبان نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس میں بہت ساری جہادی تنظیمیں شامل ہیں۔ گلبدین حکمت یار اور مولوی محمد یونس خالص نے کھلم کھلا امریکا کے خلاف اعلانِ جہاد کیا ہے۔ اب امریکا کے خلاف ایک متحدہ محاذ ''مجاہدین اسلام'' کے نام سے معرض وجود میں آیا ہے جو امریکی اور اتحادی افواج کو ''صلیبی افواج'' اور موجودہ جنگ کو ''صلیبی جنگ'' کا نام دیتا ہے۔ مجاہدین نہ صرف پاکستان کے ملحق سرحدی علاقے میں بلکہ پورے افغانستان میں گوریلا جنگ لڑ رہے ہیں۔ غیرملکی خبررساں ایجنسیاں صرف کابل تک محدود ہیں۔ اُن کے نامہ نگار عدمِ تحفظ کی وجہ سے کابل شہر میں بھی آزادی سے گھوم پھر نہیں سکتے۔ اس لیے دور دراز صوبوں میں مجاہدین کی مزاحمتی کارروائیاں منظرعام پر نہیں آتیں۔ رمزفیلڈ کے دورہ کابل کے دوران باگرام ایئربیس راکٹوں کا نشانہ بنا۔ اسی طرح کابل میں لویہ جرگہ اجلاس کے قریب راکٹ گرے۔ کرزئی حکومت یہ تاثر دے رہی ہے کہ افغانستان میں طالبان کا کوئی وجود نہیں ہے، یہ ملک کے سرحدی علاقے میں پاکستان کی طرف سے دہشت گردی ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ پکتیکا اور قندھار پر مجاہدین کا عملاً قبضہ ہے۔ افغان اور امریکی افواج ان علاقوں میں زمینی آپریشن سے گریز کر رہی ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ افغان مجاہدین جو عرصہ ۲۰ سال سے گوریلا جنگ کا تجربہ رکھتے ہیں ان کے مقابلے میں امریکی فوج کے کمانڈو بالکل نوآزموا اور ناتجربہ کار کھلاڑی ہیں۔ یہ بات اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ افغان عوام بلکہ سارے عالم اسلام کی ہمدردیاں طالبان کے ساتھ ہیں۔ ان علاقوں میں مجاہدین کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دو سال مسلسل تلاش، گولہ باری اور بمباری کے باوجود اسامہ بن لادن یا ملا عمر کا کوئی سراغ نہیں لگایا جا سکا۔ یہ بھی یاد رہے کہ بش حکومت نے اسامہ بن لادن کی گرفتاری کے لیے ۵۰ لاکھ ڈالر انعام مقرر کر رکھا ہے۔

اسامہ بن لادن یا ملا عمر کے نام سے جتنے اعلانات کیے جا رہے ہیں وہ سارے کے سارے فرضی ہیں اور حقائق کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا واحد مقصد یہ ہے کہ طالبان کی تلاش کے بہانے امریکی اور اتحادی افواج کو افغانستان میں رہنے کا بہانہ ہاتھ آ سکے اور امریکی عوام کے لیے افغانستان پر حملے اور مظالم کا کوئی اخلاقی جواز پیش کیا جا سکے۔ برطانیہ

اور امریکا میں عراق کے مہلک اور تباہی والے ہتھیاروں کی موجودگی کے جھوٹ کا پول کھل گیا ہے۔ نہ صرف ان ممالک کے عوام بلکہ باقی دنیا بھی اس حقیقت سے آگاہ ہو چکی ہے کہ عراق پر مہلک ہتھیاروں کا بے بنیاد الزام' حملے کے لیے صرف ایک بہانہ تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی حقیقت بھی سامنے آئے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ اس کے پیچھے اصل محرکات کیا تھے اور اس میں ملوث افراد کون تھے۔

کرزئی حکومت کی الزام تراشی

یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو حامد کرزئی نے الزام لگایا کہ پاکستان کے ۱۰ ہزار دینی مدارس کے طلبہ' مجاہدین کی مدد کر رہے ہیں۔ ۱۶ اکتوبر کو انھوں نے اعلان کیا کہ پاکستان کے سیاسی پاور سٹرکچر کے ۴۰' ۵۰ افراد افغان مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور مطالبہ کیا کہ دینی مدارس پر مکمل پابندی عاید کی جائے۔ اس لیے کہ ''انتہا پسندی'' اور ''دہشت گردی'' کی لہر پاکستان کے راستے سے افغانستان میں داخل ہو رہی ہے۔ اس طرح حامد کرزئی اندرون ملک بدامنی اور بے چینی کو پاکستان کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکی افواج کا افغانیوں کے ساتھ معاملات طے کرنے کا یہ پہلا تجربہ ہے۔ ان کو قائل کیا جا رہا ہے کہ پاکستان کے قبائلی علاقہ جات سے مجاہدین دراندازی کرتے ہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکی احکامات پر پاکستانی فوج کے ۷۰ ہزار جوان پاک افغان سرحد پر مامور ہیں اور مختلف دروں اور راستوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ان کا کام بظاہر یہ ہے کہ سرحد پر مجاہدین کی آمد و رفت پر کڑی نگاہ رکھیں۔ اسی سلسلے میں پاکستان کی فوج نے مہمند ایجنسی کے برادرہ' انارگئی اور یعقوبی کنڈاؤ کے علاقوں میں فوجی چوکیاں تعمیر کیں۔ ننگرہار کے کمانڈر حضرت علی کے حامی ملیشیا کے اہل کاروں نے ان چوکیوں پر بلا اشتعال فائرنگ کی' راکٹ لانچر اور مارٹر گنیں بھی استعمال کیں۔ چونکہ سرحد کی نشان دہی زمین پر boundary pillars سے نہیں کی گئی ہے لہٰذا سرحد کی اصلی حدود متعین کرنا مشکل کام ہے۔

اس وقت بھارت نے افغانستان میں آٹھ قونصل خانے کھولے ہیں۔ ان میں قندھار

اور جلال آباد کے قونصل خانے پاکستان کے خلاف نفرت پھیلانے اور تخریب کاری کے گڑھ بنے ہوئے ہیں۔ جلال آباد کے بھارتی قونصل خانے میں را کے جو ایجنٹ متعین کیے گئے ہیں ان کی اطلاع پر کابل میں خبر پھیلائی گئی کہ پاکستانی فوج مہمند ایجنسی میں درہ یعقوبی کے قریب کئی میل تک افغانستان کے اندر گھس آئی ہے۔ اس کے خلاف کابل اور مزار شریف میں احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ صدر پرویز مشرف کے ایک بیان نے جلتی پر تیل کا کام کیا جو انھوں نے کرزئی حکومت کے متعلق پیرس میں دیا تھا۔ ۶ جولائی کو کابل میں بین الاقوامی اطلاعتی مرکز کے افتتاح کے موقع پر حامد کرزئی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان اپنے پاؤں چادر سے باہر نہ نکالے اور بین الاقوامی برادری سے مطالبہ کیا کہ وہ پڑوسی ممالک کے ذریعے افغانستان کے مستقبل کے فیصلوں کا سلسلہ بند کر دیں۔

اس کے دو دن بعد کابل شہر میں پاکستان کے خلاف ایک مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرین کی تعداد ۵ ہزار کے قریب تھی جس کی قیادت افغانستان سٹیٹ بنک کے گورنر انوارالحق احد کر رہے تھے جو نیشنل اسلامک فرنٹ کے سربراہ پیر سید علی گیلانی کے داماد ہیں۔ وہ عرصۂ دراز تک امریکا میں مقیم رہے ہیں۔ کرزئی حکومت قائم ہونے کے بعد واپس کابل آئے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی دیگر حکومتی نمایندوں اور سرکاری اہل کاروں نے بھی اس مظاہرے میں حصہ لیا۔ مظاہرین نے جو ڈنڈوں سے لیس تھے، پاکستانی سفارت خانے پر حملہ کیا۔ تمام گاڑیوں، کمپیوٹروں، فرنیچر اور ریکارڈ کو تباہ کیا اور عمارت کو بھی شدید نقصان پہنچایا۔ امریکی اور انٹرنیشنل سیکورٹی ایڈمنسٹریٹو فورس (ISAF) اور سرکاری انتظامیہ اس پوری کارروائی کو تماشائی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ افغان پہرہ داروں نے بھی جن کی ذمہ داری سفارت خانے کی حفاظت تھی، حملہ آور جلوس کے ساتھ مل کر سفارت خانے کو نقصان پہنچایا۔ کابل کے علاوہ مزار شریف، پغمان اور قندھار میں بھی احتجاجی جلسے اور مظاہرے ہوئے جن میں انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداران کے علاوہ صدر کرزئی کے بھائی احمد ولی کرزئی نے بھی شرکت کی۔

اگست کے آخری ہفتے میں ۲۰ سال کے بعد پہلی مرتبہ سرکاری طور پر یوم پختونستان منایا گیا۔ اس سلسلے میں منعقدہ ایک تقریب میں کرزئی کے وزرا نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں پاکستانی سرحدی علاقے پر ظاہر شاہ کے دور کے افغانی دعوؤں کا اعادہ کیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جو

معاہدہ ۱۸۹۳ء میں برطانوی حکومت کے نمایندے مارٹیمر ڈیورنڈ اور امیر عبدالرحمٰن کے درمیان طے ہوا تھا اس کی مدت ۱۰۰ سال کی تھی اس لیے اس کی میعاد ۱۹۹۳ء میں ختم ہو چکی ہے۔ یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ وہ علاقے جو افغانستان کا حصہ تھے اور طاقت کے بل پر انگریزوں نے چھینے تھے وہ واپس کیے جائیں۔ اس قسم کی بلیک میل سے ماضی میں بھی پاکستان اور افغانستان کے تعلقات متاثر ہوئے ہیں اس میں بھارت کی شہ پر ظاہر شاہ نے منافقانہ کردار ادا کیا جس کے عوض اُس کو بھارت کی طرف سے ہر سال بھاری رقوم ملتی رہیں۔

اس وقت پشتون آبادی افغانستان کا سب سے زیادہ مظلوم طبقہ ہے۔ افغانستان کے پشتون قبائل پاکستان کے احسانات کے معترف ہیں۔ ان میں سے لاکھوں افراد پاکستان میں پیدا ہوئے ہیں جو افغانستان اور پاکستان کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ دونوں ممالک کے درمیان کوئی سرحد نہ ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ صدر پرویز مشرف کی افغان پالیسی سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکا کو اگر پرویز مشرف کی مدد حاصل نہ ہوتی تو آج افغانستان تباہی اور بربادی کے کھنڈرات کا ڈھیر نہ ہوتا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ پاکستان' افغانستان کی تعمیر نو اور ترقی میں ایک اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ خوراک' روزمرہ استعمال کی اشیا' ترقیاتی منصوبوں کے لیے سیمنٹ اور سریا یہاں سے جاتا ہے۔ پاکستان کے پیشہ ور ماہرین' مواصلات' تعلیم اور صحت کے میدان میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن کابل میں امریکی انتظامیہ نہیں چاہتی کہ شمالی اتحاد کو ناراض کر کے پاکستان کو ملک کی تعمیر نو میں کوئی اہم اور قابل ذکر کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے۔

پاکستان کی افغان پالیسی خود بھی تذبذب کا شکار ہے۔ بھارت نے شروع میں موقع ملتے ہی ۲۰۰ بسوں کا بیڑا اور آریانہ ایئرلائنز کے لیے ہوائی جہاز بھیج دیے جس سے بیرونی ممالک کے ساتھ اُن کے ہوائی رابطے استوار ہوئے۔ بسوں کی وجہ سے اندرون ملک روڈ ٹریفک بحال ہوئی۔ ۲ سال کی سوچ بچار کے بعد پاکستان نے بسوں' اور ٹرکوں کی امداد کا جو اعلان کیا ہے وہ بھارتی اثر و رسوخ کو زائل کرنے میں مددگار ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہ امداد پہلے سال ہی فوراً دی جاتی تو اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوتے۔

افغان آئین اور صدارتی طرزِ انتخاب

بون معاہدے کے تحت دسمبر کے مہینے میں لویہ جرگہ کا اجلاس منعقد ہوا' جو صرف ۱۰ دِن کے لیے بلایا گیا تھا' لیکن اس کی کارروائی ۲۲ دِن تک جاری رہی۔ لویہ جرگہ کے ۵۰۲ ممبران میں سے ۵۰ حامد کرزئی کے نامزد کردہ تھے۔ ان میں صبغت اللہ مجددی بھی شامل تھے جو لویہ جرگہ کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ ۱۶۰ شقوں پر مشتمل آئین کا مسودہ صدر کرزئی کے نامزد کردہ ۳۵ ارکان کے کمیشن نے تیار کیا تھا لیکن پس پردہ اس کی تیاری میں امریکی سفیر زلمے خلیل زادہ اور اقوام متحدہ کے سکریڑی جنرل کے خصوصی نمایندہ براے افغانستان لخدار ابراہیمی نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ بون معاہدے کے مطابق کوئی بھی جنگی سردار جرگہ کا رکن بننے کا اہل نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس میں جنرل عطا' عبدالرشید دوستم' کمانڈر اسماعیل سمیت سب جنگی سرداروں نے شرکت کی۔ مسودے میں صدارتی نظام کی سفارش کی گئی تھی۔ یہ امریکا کی خواہش پر شامل کیا گیا تھا اس لیے کہ اس میں صدر کو کابینہ کے وزرا' صوبوں کے گورنروں' عدلیہ کے ججوں' فوج میں اہم عہدوں کی تعیناتی کا اختیار دیا گیا تھا۔ مزید یہ کہ صدر افواج کا سربراہ بھی ہوگا۔ لویہ جرگہ کا زیادہ تر وقت اس بات پر صرف ہوا کہ ملک کا نظام پارلیمانی ہو یا صدارتی۔ شمالی اتحاد کے ۲۰۰ ارکان پارلیمانی نظام کے حامی تھے اور اس کا مسلسل مطالبہ کرتے رہے اور ایک موقع پر انھوں نے اجلاس سے واک آؤٹ بھی کیا۔ لیکن بالآخر وہی ہوا جو امریکا کی مرضی تھی۔ لویہ جرگہ نے بالاتفاق صدارتی نظام کی منظوری دے دی۔ یہ آئین چند نمایشی شقوں کو چھوڑ کر ایک مکمل سیکولر آئین ہے۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ حکمرانی کا حق صرف عوام کو ہے۔ اس میں کہیں بھی شرعی قوانین کے نفاذ کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ پاکستان کے طرز پر ملک کا نام اسلامی جمہوریہ افغانستان ہوگا۔ یہ پہلا آئین ہے جس میں شاہ کا ذکر نہیں ہے البتہ صدر کو وہ سارے اختیارات دیے گئے ہیں جو ۱۹۶۴ء کے آئین میں ظاہر شاہ کو حاصل تھے۔

حامد کرزئی نے اجلاس کے شروع میں اس بات کا ذکر کیا کہ اگر ملک میں صدارتی نظام رائج نہ کیا گیا تو وہ جون کے انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ اس کے لیے انھوں نے ہر طریقے سے جوڑ توڑ کی کوشش کی۔ سرکاری فنڈ اور بیرونی امداد کے ایک بڑے حصے کو بے دردی سے اس

مقصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ اور بالآخر ارکان کی اکثریت کو ہمنوا بنانے اور خریدنے میں کامیاب ہوئے۔ افغانستان میں پارلیمانی نظامِ حکومت اس خطے میں امریکی عزائم کی تکمیل میں رکاوٹ ہے اسی لیے امریکی انتظامیہ فردِ واحد کی وساطت سے افغانستان کے اُمور کو چلانا چاہتی ہے جس کے لیے کرزئی پہلے سے اُن کے اُمیدوار ہیں۔ ان کے انتخاب کو یقینی بنانے کے لیے دستور میں مناسب دفعات رکھی گئی ہیں۔ امریکا نے اپنے حلقہ اثر والے ممالک میں بھی فرد واحد کی حکومتوں کو رواج دے رکھا ہے کیونکہ اس طرح وہ اپنے مفادات کا تحفظ آسانی سے کرسکتا ہے۔ عام طور پر فردِ واحد سے لین دین یا اس کو اقتدار سے ہٹانا آسان کام ہوتا ہے۔ افغانستان میں مضبوط صدارتی طرز حکومت اس مقصد کے تحت قائم کیا گیا ہے تاکہ افغان اُمور کو واشنگٹن کی مرضی اور پسند کے مطابق چلانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

صدیوں سے افغانستان کا نظم ونسق شہنشاہیت' قبائلی نظام اور شرعی نظام کے تین ستون پر قائم رہا ہے۔ آئین میں ان تینوں کو نظرانداز کیا گیا ہے اور باہر سے ایک نیا نظام مسلط کیا جارہا ہے جس کو افغان عوام پوری طرح سے سمجھتے ہیں نہ موجودہ حالات میں اس پر عمل درآمد کی کوئی توقع اور اُمید ہے۔ نئے آئین کے مطابق مسلح گروپوں' قومیتوں' فرقوں اور لسانی بنیادوں پر قائم جماعتوں کے ملکی سیاست میں حصہ لینے پر پابندی ہوگی۔ اہم سوال یہ ہے کہ محمد فہیم' عبداللہ عبداللہ' عبدالرشید دوستم' کمانڈر عطا' حضرت علی اور اسماعیل خان جو اس قانون کی زد میں آتے ہیں کیا واقعی ملکی سیاست میں حصہ نہیں لے سکیں گے؟ آئین میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ خارجی لوگوں کو جایداد خریدنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ پاکستان کے پشتون قبائل جو سرحد کے دونوں طرف آباد ہیں اور تجارتی اغراض کے لیے ان کا افغانستان آنا جانا روز کا معمول ہے' قندھار وجلال آباد میں ان کی جایدادیں ہیں۔ اُن پر یہ دفعہ کس طرح لاگو کی جاسکے گی؟ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس وقت جب کہ کابل میونسپلٹی کی حدود سے باہر جنگی سرداروں کا راج ہے' ان حالات میں دُور دراز علاقوں میں آزادانہ انتخابات کیسے منعقد کیے جاسکیں گے اور جو پارلیمان معرض وجود میں آئے گی وہ کس حد تک عوام کی حقیقی نمایندہ ہوگی۔ یہ اہم سوالات ہیں جن پر افغان دانش ور بہت زیادہ فکرمند ہیں۔

تعمیرِ نو کا عمل

افغانستان کی تعمیر نو کی رفتار بہت سست ہے۔ اس کی ایک وجہ بون معاہدے کے دستخط کنندگان کی افغانستان کی ترقیاتی کاموں میں عدم دل چسپی ہے۔ جاپان کے شہر کیاٹو میں اربوں ڈالر کی امدادی رقوم کے اعلانات کے باوجود ترقیاتی منصوبوں کے لیے مطلوبہ فنڈ فراہم نہیں کیا جا رہا۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۱ستمبر کے بعد امریکا نے افغانستان میں اپنی افواج پر ۱۱ ارب ڈالر خرچ کیے' جب کہ تعمیر نو کے کاموں پر صرف ۹۰ کروڑ صرف ہوئے ہیں۔ امریکی اور اتحادی افواج کی سرگرمیاں اس وقت اسامہ کو پکڑو (Catch Osama) مہم پر مرکوز ہیں۔ پاک افغان سرحد پر متعین ۷۰ ہزار پاکستان افواج کو بھی مبینہ طور پر اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ امریکی صدارتی انتخابات جیتنے کے لیے صدر بش کے ہاتھ کوئی ٹرافی آ جائے۔ دوسری وجہ امن وامان کی خراب صورت حال ہے جس کی ساری ذمہ داری امریکا پر عاید ہوتی ہے۔

امن وامان بحال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مجاہدین کے خلاف فوجی آپریشن فوراً بند کیا جائے۔ غیر ملکی افواج سے ملک کو نجات دلائی جائے۔ ان کے ہوتے ہوئے امن وامان کی بحالی ہوسکتی ہے نہ ترقیاتی کاموں کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی اسلامی ممالک پر مشتمل فوج ملک میں تعینات کی جائے اور اس کے زیر اہتمام ملک کی دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کرائے جائیں اور اس کو آئین مرتب کرنے کا کام سونپا جائے۔ ملک میں عام معافی کا اعلان کیا جائے۔ افغان جنگی سرداروں اور امریکا کے زیر حراست افراد کو رہا کیا جائے' جنگی سرداروں کی بیخ کنی کی جائے۔ پوست کی کاشت اور افیون کی تجارت اور ہر قسم کے اسلحے پر مکمل پابندی عاید کی جائے۔ جن علاقوں سے مختلف نسلی گروہوں کو بے دخل کیا گیا ہے اُن کی اپنے علاقے میں آباد کاری کا بندوبست کیا جائے اور ان سے چھینے ہوئے مکانات اور جایداد واپس دلائی جائے۔

امید کی جاتی ہے کہ ان اقدامات کے بعد افغانستان میں قیامِ امن میں پیش رفت ہوگی اور پہاڑوں جیسی سربلند اور سخت جان قوم ٹھوس منصوبہ بندی کر کے اپنے بہتر مستقبل کے لیے پیش قدمی کر سکے گی۔

جنابِ صدر! عوام سے سچ بولیے

رابرٹ بومن ○

ترجمہ: مسلم سجاد

جنابِ صدر! دہشت گردی کے بارے میں عوام سے سچ بولیے۔ اگر دہشت گردی کے بارے میں جھوٹی باتوں کو چیلنج نہ کیا گیا' تو خطرہ جوں کا توں رہے گا یہاں تک کہ یہ ہم کو تباہ کردے۔

سچ یہ ہے کہ ہمارے ہزاروں نیوکلیائی ہتھیاروں میں سے کوئی ہم کو ان خطرات سے تحفظ نہیں دے سکتا۔ کوئی اسٹار وار نظام تکنیکی طور پر کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو' کتنے ہی ٹریلین ڈالر اس کی نذر کیوں نہ کر دیے گئے ہوں' ہمیں کسی کشتی' کسی سیسنا جہاز' کسی سوٹ کیس یا کسی ٹرک میں ارسال کردہ جوہری ہتھیار سے نہیں بچا سکتا۔ ہمارے وسیع اسلحہ خانے کا کوئی ہتھیار' اپنے دفاع پر خرچ کیے جانے والے ۲۷۰ ارب ڈالروں میں سے کوئی پائی' دہشت گرد بم سے دفاع مہیا نہیں کرتا۔ یہ ایک فوجی حقیقت ہے۔

ایک ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کرنل اور قومی سلامتی کے موضوع کے مقرر کی حیثیت سے میں اکثر بائبل سے یہ اقتباس سناتا ہوں: بادشاہ کو اس کی طاقت ور فوج نہیں بچاتی۔ ایک لڑنے والے سپاہی کو اس کی طاقت نہیں بچاتی۔ فوراً ذہن میں یہ سوال آتا ہے: پھر ہم کیا کریں؟ کیا ہم اپنے عوام کو تحفظ و سلامتی فراہم کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔

○ امریکا کا ایک رومن کیتھولک بشپ جس نے ویت نام جنگ میں ۱۰۱ پروازیں کیں

کر سکتے ہیں--- مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم خطرے کے بارے میں سچائی اور حقیقت کو جانیں۔ جناب صدر! جب ہم نے سوڈان اور افغانستان پر بمباری کی وجہ بیان کی تو آپ نے امریکی عوام کو یہ سچ نہ بتایا کہ ہم دہشت گردی کا ہدف کیوں ہیں؟ آپ نے کہا کہ ہم اس لیے ہدف ہیں کہ ہم دنیا میں جمہوریت' آزادی اور انسانی حقوق کے علَم بردار ہیں! کتنی واہیات ہے یہ بات!

ہم دہشت گردوں کا ہدف ہیں کیوں کہ دنیا کے بیشتر حصوں میں ہماری حکومت آمریت' غلامی اور انسانی استحصال کی علَم بردار ہے۔ ہم اس لیے ہدف ہیں کہ ہم سے نفرت کی جاتی ہے۔ اور ہم سے نفرت اس لیے کی جاتی ہے کہ ہماری حکومت نے قابلِ نفرت کام کیے ہیں۔ کتنے ہی ملکوں میں ہماری حکومت کے ایجنٹوں نے عوام کے کتنے لیڈروں کو برطرف کیا اور ان کی جگہ فوجی آمر لا بٹھائے' جو اپنے عوام کو امریکی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے ہاتھ فروخت کرنے پر راضی ہیں۔

ہم نے یہ ایران میں اس وقت کیا جب امریکی میرین اور سی آئی اے نے مصدق کو اس لیے برطرف کیا کہ وہ ایران کی تیل کی صنعت کو قومیانا چاہتا تھا۔ ہم نے اس کے بجاے شاہ ایران کو لا بٹھایا اور اس کے قابلِ نفریں ساواک گارڈز کو مسلح کیا' تربیت دی اور رقوم دیں جس نے ایرانی عوام کو غلام بنایا' ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ یہ سب کچھ صرف اس لیے کیا گیا کہ ہماری تیل کی کمپنیوں کے مالی مفادات محفوظ رہیں۔ اب اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ ایران میں ایسے لوگ ہیں جو ہم سے نفرت کرتے ہیں۔

ہم نے یہی چلّی میں کیا' یہی ہم نے ویت نام میں کیا' حال ہی میں ہم نے یہی کچھ عراق میں کرنے کی کوشش کی۔ بلاشبہہ نکاراگوا اور لاطینی امریکا کی دوسری ریاستوں میں ہم نے ایسا کئی بار کیا بار بار ہم نے ایسے مقبول لیڈروں کو برطرف کیا جو اپنے ملک کے وسائل اپنے ان عوام پر خرچ کرنا چاہتے تھے جو اس کے لیے کام کرتے تھے۔ ہم نے ان کی جگہ ایسے خونی قاتل اور ظالم حکمرانوں کو لائے جو اپنے ملک کے عوام کو فروخت کر دیں تاکہ ملک کی دولت امریکی کمپنیوں کو پہنچائی جاسکے۔

ملک کے بعد ملک میں ہماری حکومت نے جمہوریت کی بساط لپیٹ دی' آزادیوں پر پابندی لگائی اور انسانی حقوق کو پامال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا میں اس سے نفرت کی جاتی

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دہشت گردوں کا ہدف ہیں۔

کینیڈا کے عوام جمہوریت' آزادی اور انسانی حقوق سے لطف اندوز ہوتے ہیں' اسی طرح ناروے اور سویڈن کے عوام۔ کیا آپ نے کبھی سنا کہ کینیڈا کے' ناروے کے یا' سویڈن کے سفارت خانوں پر حملے ہوئے؟

ہم سے اس لیے نفرت نہیں کی جاتی کہ ہم جمہوریت' آزادی اور انسانی حقوق پر عمل کرتے ہیں' بلکہ ہم سے اس لیے نفرت کی جاتی ہے کہ ہماری حکومت تیسری دنیا کے لوگوں کے لیے ان چیزوں کے دروازے بند کرتی ہے۔ تیسری دنیا' جس کے وسائل پر ہماری ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کی نظر ہے۔ نفرت کے جو بیج ہم نے بوئے ہیں' وہ ہم کو ابھی دہشت گردی کی شکل میں برگ و بار لاکر اور مستقبل میں جوہری دہشت گردی کے اندیشوں سے پریشان کر رہے ہیں۔

ایک دفعہ یہ حقیقت جان لی جائے کہ خطرہ کیوں ہے تو حل واضح ہو جاتا ہے۔ ہمیں اپنے طریقے بدلنا چاہییں۔ ہم' ضروری ہو تو یک طرفہ طور پر ہی سہی' اپنے جوہری ہتھیار تلف کر دیں تو ہماری سلامتی میں اضافہ ہو جائے گا۔ خارجہ پالیسی میں مکمل تبدیلی سے اسے یقینی بنایا جاسکے گا۔

اپنے بیٹوں بیٹیوں کو عربوں کو قتل کرنے کے لیے بھیجنے کے بجائے' تاکہ ان کی ریت میں دفن تیل ہمیں ملے' ہمیں انھیں ان کی ترقی کے لیے ڈھانچا تعمیر کرنے کے لیے' صاف پانی مہیا کرنے کے لیے' اور فاقہ زدہ بچوں کو خوراک پہنچانے کے لیے بھیجنا چاہیے۔ پابندیوں کے ذریعے عراق کے ہزاروں بچوں کو روز قتل کرنے کے بجائے ہمیں عراقیوں کے بجلی اور پانی کے منصوبے اور ہسپتال تعمیر کرنے کے لیے مدد دینی چاہیے۔ یہ سب ہم نے ہی تباہ کیے اور پابندیوں کے ذریعے ان کی تعمیر نو ممکن نہ رہنے دی۔ ہمیں اپنا دہشت گرد اور ڈیتھ سکواڈ تیار کرنے کا اسکول ختم کر دینا چاہیے۔ ساری دنیا میں بغاوت' عدمِ استحکام' قتل اور دہشت کی حمایت کے بجائے ہم کو سی آئی اے کو لپیٹ دینا چاہیے اور یہ رقم ریلیف ایجنسیوں کو دینا چاہیے۔

مختصراً یہ کہ ہم کو بدی کے بجائے نیکی کرنا چاہیے۔ پھر ہمیں کون روکے گا؟ پھر ہم سے کون نفرت کرے گا؟ کون ہم پر بم پھینکے گا؟ یہ سچ ہے جناب صدر! امریکی عوام کو بھی سچ بتانے کی ضرورت ہے۔ (دی ملی گزٹ' دہلی' ۱-۱۵ جنوری ۲۰۰۴ء' بحوالہ نیشنل کیتھولک رپورٹر)

مرشد عام المستشار محمد مامون الہضیبیؒ

پروفیسر خورشید احمد

موت' تو سب ہی کا مقدر ہے لیکن مرنے کے بعد بھی زندہ وہ رہتے ہیں جو اعلیٰ مقاصد کے حصول اور خیر و فلاح کے فروغ کے لیے شب و روز صعوبتیں جھیلتے' دشمنوں کے وار سہتے اور مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں تاکہ دنیا سے تاریکیاں چھٹیں' ماحول روشن ہو اور انسانوں کی زندگی اللہ کی بندگی اور اللہ کے بندوں کی خدمت اور ان کے لیے دنیوی اور اخروی فلاح کے حصول کی جدوجہد کی تابناکی سے معمور ہو سکے۔ یہ نفوس قدسیہ زمین کے نمک' اور پہاڑی کے چراغ کی حیثیت رکھتے ہیں اور دنیا سے رخصت ہو جانے کے باوجود ان کے کارنامے مشعل راہ اور ان کی زندگی روشنی کا مینار بن جاتی ہے۔ وہ چلے جاتے ہیں لیکن ان کے نقوشِ راہ آنے والوں کے لیے سنگ میل ہوتے ہیں' اور اس طرح وہ مر کر بھی شہیدوں کی طرح زندہ ہی رہتے ہیں۔ قاہرہ کے ایک گوشے میں جمعۃ المبارک ۹ جنوری ۲۰۰۴ء کو ایسے ہی ایک ۸۳ سالہ مرد مجاہد نے عارضی زندگی سے ابدی زندگی کی طرح سفر کیا اور اس شان سے کیا کہ اپنے اور غیر' سب پکار اٹھے کہ اس نے اپنے رب سے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔[1] یہ مرد مجاہد عالمِ عرب کی سب سے اہم اسلامی تحریک اخوان المسلمون کا چھٹا مرشد عام محمد مامون الہضیبی تھا---انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

۱- مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ (الاحزاب ۳۳:۲۳) ''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔

بیسویں صدی میں اُمت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سب سے نمایاں انعام عالمِ عرب میں حسن البنا شہیدؒ اور ان کی قیادت میں قائم ہونے والی اسلامی تحریک اخوان المسلمون' اور برعظیم پاک و ہند میں برپا ہونے والی تحریک جماعت اسلامی اور اس کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔ ان تحریکوں نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو ایمان کے نور سے منور کیا اور ان کو غلبۂ حق کی جاں گسل جدوجہد میں زندگی کا لطف پانے کا سلیقہ سکھا دیا۔

محمد مامون الہضیبیؒ نے ایک ایسے گوشے میں آنکھ کھولی جو علم و عرفان اور زہد و تقویٰ کا گہوارا تھا۔ ان کے والد حسن الہضیبیؒ ایک نامور قانون دان اور اخوان المسلمون کے دوسرے مرشد عام [۷۳-۱۹۵۱ء] تھے' جن کو حسن البنا شہیدؒ کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا اور جنھوں نے تحریک کے مشکل ترین دور میں اس کی قیادت کی ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ اس خاندان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حسن الہضیبیؒ کی گود میں پلنے والا مامون' اخوان المسلمون کا چھٹا مرشد عام منتخب ہوا' گو اسے یہ خدمت انجام دینے کے لیے مہلت صرف ۱۴ مہینے کی مل سکی۔

محمد مامون الہضیبیؒ ۲۸ مئی ۱۹۲۱ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں کلیۃ الحقوق سے گریجویشن کرنے کے بعد پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کر کے مصر کی عدالت استغاثہ (appellate court) میں بحیثیت جج تقرر حاصل کیا۔ وہ یہ خدمت ۱۹۶۵ء تک انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں اخوان المسلمون کے باقاعدہ رکن نہ ہوتے ہوئے بھی ان کو پوری بے دردی سے جیل میں پھینک دیا گیا اور وہ چھے سال قید و بند اور ظلم و تشدد کی مشقت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے' اور اس دور میں تزکیہ نفس' روحانی ارتقا اور تحریکی شعور کی دولت سے مالا مال ہوتے رہے۔ ۱۹۷۱ء میں رہا ہوئے اور جلد ہی باقاعدہ رکنیت اختیار کر کے تحریک میں سرگرم ہو گئے۔ الاستاذ عمر تلمسانیؒ (تیسرے مرشد عام: ۸۶-۱۹۷۲ء) الاستاذ حامد ابونصرؒ (چوتھے مرشد عام: ۹۶-۱۹۸۶ء) اور مجاہد کبیر مصطفیٰ مشہورؒ (پانچویں مرشد عام: ۱۹۸۶ء-۲۰۰۲ء) کے زمانے میں اخوان کے ترجمان (spokesman) اور پھر نائب مرشد عام کی ذمہ داریاں ادا کیں اور نومبر ۲۰۰۲ء میں مصطفیٰ مشہور کی وفات کے بعد چھٹے مرشد عام منتخب ہوئے۔

مامون الہضیبیؒ کو ۱۹۷۱ء میں رہائی کے بعد ان کے عہدہ قضا پر بحال نہیں کیا گیا۔ تقریباً ۱۰ سال

انھوں نے سعودی عرب میں بحیثیت قانونی مشیر صرف کیے اور ۱۹۸۷ء میں مصر کی پارلیمنٹ میں سرکاری مخالفت کے باوجود آزاد امیدوار مگر عملاً اخوان کے نمایندے کے طور پر منتخب ہو کر قائد حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ ۲۰۰۰ء کے انتخابات میں پھر منتخب ہوئے اور وفات کے وقت تک حزبِ اختلاف کے قائد تھے۔

مجھے محترم مامون الہضیبیؒ سے پہلی بار ملنے کا موقع ۱۹۷۴ء میں اس وقت حاصل ہوا جب ایک اہم تحریکی سلسلے میں برادرم خلیل احمد حامدیؒ کے ہمراہ پہلی بار قاہرہ گیا۔ شیخ عمر تلمسانیؒ (مرشد عام) سے بھی اس موقع پر ملاقات ہوئی۔ اس وقت مامون الہضیبیؒ صرف ایک پختہ کار قانون دان کی حیثیت سے جانے جاتے تھے اور تحریک میں کوئی نمایاں مقام نہیں رکھتے تھے۔ اس کے برعکس سیف الاسلام (حسن البنا شہیدؒ کے صاحبزادے) اپنی نوجوانی کے باوجود اس وقت بھی توجہ کا مرکز تھے۔ پھر ۱۹۸۵ء میں اور اس کے بعد دسیوں بار قاہرہ' استنبول' انگلستان اور نہ معلوم کہاں کہاں ان سے ملنے اور گھنٹوں مشاورت میں شریک ہونے کا موقع ملا۔

مامون الہضیبیؒ بڑے دھیمے مگر موثر انداز میں اپنی بات پیش کرتے تھے۔ انگریزی میں بھی اپنا مافی الضمیر خوش اسلوبی سے ادا کر لیتے تھے۔ دینی امور پر مجھے اُن سے زیادہ گفتگو کا موقع نہیں ملا لیکن سیاسی اور تحریکی معاملات پر میں نے ان کی فکر کو بہت واضح' پختہ اور سلجھا ہوا پایا۔ وہ جمہوری ذرائع سے تبدیلی کے سختی سے حامی تھے اور سیاسی نظام اور عمل (process) کو تحریک اسلامی کے ایک اہم موثر میدانِ کار کے طور پر استعمال کرنے کو ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی تقریر میں منطقی ربط اور ٹھوس مواد ہوتا تھا اور وہ دلیل سے قائل کرنے اور دلیل سے قائل ہونے کی روایت کو مستحکم کرنے پر ہمیشہ کاربند رہے۔ مجھے ان کے ساتھ مصر کی پیشہ ورانہ تنظیموں کے اجتماعات میں بھی شرکت کا موقع ملا اور نوجوانوں کے تربیتی کیمپوں (مخیم) میں بھی۔ میں نے ہر موقع پر ان کو صاحب الرائے اور توازن واعتدال پر قائم پایا۔ وہ شوریٰ کے آدمی تھے اور ان کے ساتھ بحث و گفتگو ہمیشہ فکر کشا ہوتی تھی۔

اخوان کا ابتدائی دور برطانوی استعمار سے کش مکش کا دور ہے اور اس میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ کش مکش اور جہاد (خصوصیت سے فلسطین کے محاذ پر) کا بھی بڑا نمایاں دخل ہے۔

حسن الہضیبیؒ کا دور ابتلا اور آزمایش کا دور ہے' جو کسی نہ کسی صورت میں اب تک چل رہا ہے۔ لیکن شیخ عمر تلمسانیؒ کے دور سے سیاسی نظام کے اندر دستوری اور جمہوری ذرائع سے تبدیلی کا منہج آہستہ آہستہ نمایاں ہوتا گیا اور تقویت پاتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ مصطفیٰ مشہورؒ کے دور میں وہ تبدیلی کا ماڈل بن گیا۔ اس منہج کو فکری اور عملی دونوں محاذوں پر تقویت اور رواج دینے میں محمد مامون الہضیبیؒ کا بڑا نمایاں حصہ ہے۔ مرشدعام منتخب ہونے کے بعد مامون الہضیبیؒ ہر ہفتہ اخوان کے ہفت روزہ بلیٹن میں مضمون لکھتے تھے اور ان کی ان تحریروں کا نمایاں پہلو ان کا دین کے گہرے فہم کے ساتھ مصر اور دنیا کے حالات اور تحریک اسلامی کو درپیش مسائل اور معاملات کا حقیقت پسندانہ ادراک تھا۔

اگرچہ ان کی شخصیت کے اور بھی ایمان افروز پہلو ہیں' لیکن اب سے چند ماہ پہلے جب میں نے اسلامی تحریکوں سے وابستہ بزرگوں اور دوستوں کو خط لکھا کہ' مولانا مودودی مرحوم کی یاد میں ترجمان القرآن کی خصوصی اشاعت کے لیے مضمون لکھیں' تو دنیا بھر میں جس فرد نے سب سے پہلے' اور میرا خط ملنے کے آٹھویں روز مضمون عطا فرمایا' وہ محمد مامون ہی تھے۔ ''اشاعت خاص'' میں قارئین نے وہ مضمون ملاحظہ کیا ہوگا۔ عمر' صحت' مصروفیات اور عرب مسلم دنیا پر امریکی یلغار کی اس فضا میں ایسا تجزیاتی اور محبت بھرا مضمون پڑھ کر اندازہ ہوا کہ وہ مولانا مودودیؒ سے کتنی عقیدت اور ان کے بارے میں کتنی گہرائی سے معلومات رکھتے تھے۔

اخوان کی تحریک کا ایک بڑا نمایاں پہلو قرآن سے شغف' باہمی محبت و الفت اور انسانی تعلقات میں گرمی اور مٹھاس کا عنصر ہے۔ مامون الہضیبیؒ کے ۳۰ سالہ دور میں جو نقش سب سے نمایاں ہے' وہ ان کا ذاتی تعلق اور اپنائیت کا رویہ ہے' جو دل کو موہ لینے کا باعث ہوتا تھا۔ وہ اپنے رب کو پیارے ہوگئے لیکن ان کا مقام میرے جیسے ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کے دل میں ہے اور یہی ان کی عظمت کی دلیل اور ان کے نہ ختم ہونے والے فیضان کی نشانی ہے ؎

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
درسینہ ہاے مردمِ عارف مزارِ ماست

جب ہمارا انتقال ہو جائے تو ہماری قبر زمین میں تلاش نہ کرو' ہمارا مزار اہل معرفت کے دلوں میں ہے۔

خالد اسحاق مرحوم

بلاشبہہ خالد اسحاق نے قانون کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا اور دستوری اور قانونی امور پر ان کی نگارشات' مقدمات اور بیانات ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہیں اور ان کی رہنمائی میں اچھے قانون دانوں اور ججوں کی ایک ٹیم بھی ہماری عدالتوں کی زینت ہے۔ لیکن میری نگاہ میں ان کی اصل شناخت اسلام سے ان کی گہری وابستگی اور اسلامی اقدار کے مطابق زندگی گزارنے کی خواہش اور کاوش ہے۔ وہ بڑے پائے کے قانون دان تھے۔ اللہ بخش بروہی اور خالد اسحاق اپنے اپنے طور پر منفرد مقام رکھتے ہیں اور برسوں یاد کیے جائیں گے۔ ان شاءاللہ پاکستان میں آیندہ بھی اچھے وکیل اور کشادہ ذہن مفکرین کی کھیپ تیار ہوتی رہے گی' لیکن جو چیز خالد اسحاق کو سب سے ممتاز کرتی ہے' وہ ان کی شخصیت کی ہمہ گیری اور فکر کے عمق اور وسعتوں کے ساتھ اسلام سے گہری وابستگی' اس کے پیغام کا فہم اور انسانی فکر میں اسلام کی مرکزیت کا شعور ہے۔ انھوں نے ساری زندگی اس مشن کے لیے خلوص' دیانت اور محنت سے جدوجہد کی ایک تابناک مثال قائم کی۔

خالد اسحاق اسلامی روایت کے جلو میں پاکستان کی دو علاقائی روایات کا سنگم تھے۔ ان کا خاندان پنجاب سے سندھ آیا تھا۔ ان کے والد سندھ میں سول سروس کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے' ان کی ساری تعلیم سندھ میں ہوئی اور وہ اُردو' پنجابی اور سندھی یکساں روانی سے بولتے تھے۔ انگریزی اور عربی پر بھی قدرت حاصل تھی' بلکہ دل چسپ بات یہ ہے کہ گو قانون ان کا اوڑھنا بچھونا تھا مگر ان کا ایم اے عربی زبان میں تھا۔

۱۹۲۶ء میں پیدا ہونے والے اس ہونہار بچے نے ۱۹۴۸ء میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۵۸ء میں مغربی پاکستان کا ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل اور ۱۹۶۳ء میں ہماری تاریخ کا سب سے نوعمر ایڈووکیٹ جنرل بنا۔ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (IRI) کے شعبہ قانون سے کئی برس وابستہ رہے اور قانون کی اسلامی تشکیلِ نو کے سلسلے میں تحقیق اور نگران کی خدمات انجام دیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی دو بار رکن بنے اور سیکڑوں قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور نہایت خوبی اور عمدگی کے ساتھ اسلام کے نقطۂ نظر کی

ترجمانی کی۔ ان کا رویہ خود اعتمادی اور ان کے فکر کا منہج قرآن سے وفاداری کے ساتھ دورِ جدید کے مسائل اور افکار کی روشنی میں اسلامی فکر کی ترجمانی کا تھا۔ دینی امور کی تعبیر میں ان کی آرا سے تو میں نے بارہا اختلاف کیا، لیکن ان کو کبھی اسلام کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے نہیں پایا۔ اللہ، اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسولؐ سے ان کی وابستگی پختہ اور ناقابل سمجھوتہ تھی اور یہی چیز ان کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو ہے اور ان کی امتیازی شناخت اسی سے عبارت ہے۔

مجھے خالد اسحاق سے سب سے پہلے ۱۹۶۲ء میں ملنے کا موقع ملا اور یہ بھی ہمارے مشترک دوست اور اس وقت کے (یعنی ایوبی دور کے) قومی تعمیر نو بیورو کے نائب ڈائرکٹر مجیب انصاری مرحوم کے توسط سے ہوا۔ ماہ نامہ چراغِ راہ ہمارے اس ابتدائی تعارف کا ذریعہ بنا۔ پھر یہ تعلق دوستی اور اخوت کی سمت بڑھتا رہا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن مرحوم اور ڈاکٹر اسماعیل فاروقی اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں آ گئے اور ان کے ساتھ خالد اسحاق سے روز و شب ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ان ملاقاتوں میں گرما گرم بحثیں ہوتیں اور یوں اتفاق اور اختلاف کے ساتھ یہ تعلقات بتدریج گہرے ہوتے گئے۔

خالد اسحاق کے کردار کا سب سے متاثر کن پہلو ان کی سادگی اور صاف گوئی تھی اور اختلاف کے باوجود ان کے ہاں برداشت کا وصف تھا۔ اس زمانے میں ان پر غلام احمد پرویز کے بھی اثرات تھے اور ان سے ذاتی تعلقات بھی تھے لیکن وہ پرویز کے ہم قافلہ کبھی نہ تھے۔ چند موضوعات کو چھوڑ کر ان کی اسلامی فکر، توازن کا بہترین امتزاج تھی۔ مولانا مودودیؒ کی تصانیف اور خدمات کا انھوں نے گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور ان کے دل سے قائل تھے، اگرچہ چند امور پر ان کے اپنے تحفظات تھے۔ جب صدر فیلڈ مارشل ایوب خان نے جماعت اسلامی کو خلافِ قانون قرار دیا تو یہ مسئلہ مغربی پاکستان ہائی کورٹ میں پیش ہوا۔ خالد اسحاق نے ایڈووکیٹ جنرل ہوتے ہوئے بھی اس کیس میں حکومت کے موقف کی تائید سے اجتناب کیا۔ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحب نے جب سوال کیا کہ آپ سرکار کے وکیل کا کردار ادا کر رہے ہیں یا استغاثہ کا، تو انھوں نے جرأت ایمانی کا اظہار کرتے ہوئے ایڈووکیٹ جنرل کے عہدے سے استعفا دے دیا لیکن اپنے ضمیر کے خلاف مظلوم کو ظالم ثابت کرنے سے انکار کر دیا۔

انگلستان کے قیام کے دوران بھی میرا ان سے گہرا ربط رہا۔ اسلامک کونسل آف یورپ کے پلیٹ فارم سے ہم نے جن دسیوں بین الاقوامی کانفرنسوں کا اہتمام کیا' وہ شریک ہوئے۔ انٹرنیشنل ڈیکلریشن آف اسلامک ہیومن رائٹس جس کا اعلان یونیسکو کے پلیٹ فارم سے کیا گیا تھا' اس کے مرتب کرنے میں انھوں نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اسلامی معاشیات پر ہمارے پروگراموں میں بھی شریک رہے۔ مگر مجھے یہ قلق ہے کہ آخرِ عمر میں ربا کے مسئلے پر وہ کچھ اشکالات کا شکار ہوگئے' ورنہ ہم نے بڑی ہم آہنگی سے اسلام کی معاشی حکمت عملی اور خصوصیت سے عدل اجتماعی کے قیام کے لیے اسلام کے کردار پر مل کر کام کیا۔

خالد اسحاق اور ان کی اہلیہ محترمہ دونوں کو بالکل شروع ہی سے میں نے نماز کے معاملے میں بڑا ہی باقاعدہ اور مضبوط پایا۔ بیرونی کانفرنسوں میں' حتیٰ کہ ان کانفرنسوں میں بھی' جن کا اہتمام مغربی ادارے کرتے تھے' انھوں نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور ہر محفل میں اسے وقت پر ادا کرنے کی مثال قائم کی۔ یہ اپنے دین پر اعتماد اور اپنے طریقے کے بارے میں معذرت خواہانہ رویوں سے پاک ہونے کی دلیل ہے۔

خالد اسحاق صاحب کی زندگی کا یہ پہلو سب کے سامنے ہے کہ انھوں نے ٹیکس کے بارے میں کبھی نادہندگی یا غلط گوشوارے دینے کا رویہ اختیار نہیں کیا' اور شاید وہ بڑے بڑے صنعت کاروں سے بھی زیادہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔ یہ ان کی دیانت اور قانون کی پاسداری کی روشن مثال ہے۔ اس سے بھی زیادہ جو چیز میرے لیے متاثر کن تھی' وہ ان کا جذبۂ انفاق ہے۔ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ بہت سے غریب خاندان ان کے تعاون سے عزت کی زندگی گزار رہے تھے اور کتنے ہی لائق مگر وسائل سے محروم نوجوانوں نے ان کی مدد سے تعلیم کی منزلیں طے کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان مساعی کو قبول فرمائے اور ان کو اجرعظیم سے نوازے۔ آمین!

خالد اسحاق کی لائبریری بھی ایک افسانوی اور مثالی (legendary) حیثیت رکھتی ہے۔ میں نے اس لائبریری کو ایک کمرے سے بڑھ کر کئی کوٹھیوں اور فلیٹوں تک پھیلتے ہوئے بچشم سر دیکھا ہے۔ کتاب خالد اسحاق کی بہترین رفیق اور اصل جذبہ یا خبط (passion) تھی۔ میرے اندازے کے مطابق ۲ لاکھ سے زاید کتب ان کے کتب خانے میں تھیں اور بلاشبہہ یہ

پاکستان میں سب سے بڑی نجی لائبریری تھی۔ اے کے بروہی صاحب کے پاس بھی بڑی اچھی لائبریری تھی مگر کتب کی تعداد ۴۰ یا ۵۰ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ میری اپنی لائبریری میں بھی پاکستان اور لسٹر میں ملا کر ۲۵ ہزار تک کتابیں ہیں، لیکن خالد اسحاق اس معاملے میں ہم سب سے آگے تھے بلکہ شاید پوری مسلم دنیا میں سرفہرست تھے۔

خالد اسحاق کے گھر منعقد ہونے والی ہفتہ وار علمی نشست بھی کراچی کی ثقافتی زندگی کا ایک ناقابلِ فراموش حصہ تھی۔ فضل احمد کریم فضلی نے ماہانہ مشاعرے کی طرح ڈالی تھی اور خالد اسحاق نے ہفتہ وار علمی نشست کی۔ یہ وہ ثقافتی روایت تھی جو کبھی برعظیم کی مسلم ثقافت کی پہچان تھی۔ کاش! دلی کے آخری مشاعرے کی طرح خالد اسحاق کی علمی محفل خواب وخیال نہ ہوجائے۔

خالد اسحاق نے جو خدمات ۱۹۷۳ء کے دستور سازی کے دور میں اور پھر ۱۹۷۶ء میں پاکستان قومی اتحاد (PNA) کی دستوری اور قانونی جدوجہد میں ادا کیں، وہ بھی ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ وہ اور جناب عامر رضا ایڈووکیٹ اصل قانونی دماغ تھے، جس کا توڑ ذوالفقار علی بھٹو صاحب اور ان کی ٹیم سرتوڑ کوششوں کے باوجود نہ کرسکی۔

خالد اسحاق نے بڑے قیمتی مضامین لکھے ہیں۔ غالباً کتابیں تو ان کی دو تین ہی شائع ہوئی ہیں۔ Constitutional Limitation اور Islamic Principles of Economic Management ان میں نمایاں ہیں لیکن ان کے مضامین بلاشبہہ کئی سو ہونے چاہییں۔ ان کے احباب کا فرض ہے کہ ان کو مرتب کر کے شائع کرنے کا اہتمام کریں۔ ان کی لائبریری کی حفاظت کے لیے قومی سطح پر اقدام کیا جائے تاکہ یہ صدقہ جاریہ ضوفشاں رہے۔ ان کی زندگی اور کارناموں کو نئی نسل سے روشناس کرایا جائے، اس لیے کہ وہ بلاشبہہ ایک نمونے کی حیثیت (role-model) کا درجہ رکھتے ہیں۔

خالد اسحاق ۹ فروری ۲۰۰۴ء کو ہم سے رخصت ہوکر اپنے خالق حقیقی سے جاملے--- انا للّٰہ وانا الیہ راجعون! لیکن وہ اپنے افکار، اپنی خدمات اور اپنی یادوں کا ایسا خزانہ چھوڑ گئے کہ بقول میرؔ ؎

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا
جو کہتے کسی کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

رسائل ومسائل

حق مہر کا نامناسب مطالبہ

سوال: میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ نکاح سے قبل اگر حق مہر کا تعین نہ کیا جائے اور نکاح کے وقت عین آخری لمحے پر دلہن کے گھر والے ایک نامناسب مطالبہ کر دیں اور دولہا کے لیے قبول کرنے یا رد کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو' جب کہ بھاری حق مہر کی ادائیگی اس کی استطاعت سے باہر ہو' تو وہ کیا کرے؟ اگر شادی سے چند روز قبل اس طرح کا مطالبہ کیا جاتا اور لڑکے والوں کی طرف سے انکار کر دیا جاتا تو دلہن کے گھر والے قدموں میں گر جاتے اور مسئلے کے حل کے لیے کوئی نہ کوئی صورت نکالنے کی کوشش کرتے۔ لیکن عین نکاح کے موقع پر جب بھاری حق مہر کا مطالبہ کیا جائے اور انکار کی صورت میں بدمزگی ہو' نکاح نہ ہونے کا خدشہ ہو' جب کہ اس کی ادائیگی دولہا کی استطاعت سے باہر ہو لیکن وہ وقتی طور پر جھوٹ بولے اور مہر کی ادائیگی کا اقرار کرلے تو کیا اس مجبوری کی حالت میں ایسا کرنا مناسب ہوگا؟ اگر نہیں تو پھر اس مسئلے کا حل کیا ہوگا' نیز اگر وہ حق مہر ادا کیے بغیر مر جاتا ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

جواب: آپ کے سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ اگر دلہن کے گھر والے عین آخری لمحے پر نکاح کے وقت نامناسب مطالبہ کریں تو اسے رد کر دینا چاہیے۔ اگر رد نہ کیا جائے تو پھر انسان اس بات کا پابند ہو جائے گا۔ محض یہ کہ عین نکاح کے وقت مطالبہ کیا گیا' ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے

مجبوری قرار دیا جائے۔ اسلام میں مجبوری اور زبردستی یہ ہے کہ چھری' چاقو یا گولی سے ڈرا کر بات منوائی جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا تو نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں جو مہر طے ہوا ہو' وہ دینا پڑے گا۔ بعد میں بیوی سے پورا مہر یا اس کا کچھ حصّہ معاف کرالیا جائے۔ اسے کہہ دیا جائے کہ موقع پر تو میں نے اتنا مہر دینا قبول کر لیا تھا تاکہ تقریب نکاح میں بدمزگی پیدا نہ ہو لیکن اس قدر مہر دینا میری استطاعت سے باہر ہے۔ اس لیے آپ پورا مہر یا مہر کا کچھ حصّہ معاف کر دیں۔ شادی سے قبل یا شادی کے بعد دونوں صورتوں میں آپ لڑکی سے یہ مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ نکاح کے وقت مہر مقرر کر دینے کے بعد مہر کی معافی یا کمی کا اختیار لڑکی کا ہوتا ہے۔ اس سے لڑکی کے والدین یا خاندان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ اس لیے آپ یہ مطالبہ لڑکی سے کریں کسی اور سے نہیں۔

اگر مہر ادا کیے یا معاف کرائے بغیر آدمی فوت ہو جائے تو بیوی آخرت میں اپنے حق کا مطالبہ کرے گی اور اس کا یہ حق دینا پڑے گا۔ آخرت میں ادائیگی بہت مشکل اور انتہائی کٹھن ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مہر جو مقرر کیا گیا ہو' ادا کیا جائے' یا پھر اسے اپنی زندگی میں بیوی سے معاف کرالیا جائے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔ (مولانا عبدالمالک)

اسکارف' گاؤن اور پردہ

س : میں میڈیکل کی طالبہ ہوں۔ ہم سفید کوٹ کے اوپر سے اسکارف سے نقاب کر لیتی ہیں اور گاؤن کے طور پر علیحدہ سے لباس کے اوپر کچھ نہیں پہنا جاتا۔ سفید کوٹ کی لمبائی تقریباً قمیص یا اس سے بھی کچھ کم ہوتی ہے۔ اس طرح سے سارے کپڑے نہیں چھپتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ حال ہی میں میرے علم میں یہ اعتراض آیا ہے کہ چونکہ کپڑے زینت ہیں' اس لیے ان کا پورا چھپانا ضروری ہے۔ سفید کوٹ تو ہمیں ہر صورت میں پہننا ہوتا ہے' چاہے اسے کپڑوں کے اوپر پہنا جائے یا گاؤن کے اوپر سے۔ دوسرے طریقے میں خاص طور پر

گرمی میں بہت مشکل ہے لیکن اگر صرف سفید کوٹ پہن لینا کافی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ ہمیں اس طریقے کو چھوڑنا ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ کی رائے درکار ہے کیونکہ میں الجھن میں مبتلا ہوں۔ کالج اور ہسپتال کے علاوہ ہم لوگ عام برقع کا ہی پورا استعمال کرتے ہیں۔

ج : دورِ جدید کی باشعور نوجوان نسل نے جس طرح اپنے دینی اور ثقافتی تشخص کے حوالے سے سوالات اٹھائے ہیں، وہ قابلِ قدر ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین سے وابستہ رہ کر دورِ حاضر کی وسعتوں سے استفادہ کرنا چاہتی ہے۔ اس پس منظر میں آپ کا سوال اسلام کے تصورِ لباس و زینت سے تعلق رکھتا ہے۔

لباس زینت کو چھپاتا بھی ہے اور زینت دیتا بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں یوں فرمایا ہے: ''اور اے نبیؐ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت (بناؤ سنگھار) نہ دکھائیں بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر اِن لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے لونڈی غلام، وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں...... (۲۴:۳۱)

یہاں زینت جس کا ترجمہ صاحبِ تفہیم القرآن نے بناؤ سنگھار کیا ہے، اگر غور کیا جائے تو جہاں زینت کا مفہوم وہ زینت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں رکھ دی ہے، یعنی جسم کے خدوخال وغیرہ، وہاں اس سے مراد وہ زینت بھی ہے جو زیور یا غازہ وغیرہ کی شکل میں اختیار کی جاتی ہے۔ چنانچہ سینوں پر اوڑھنیوں کے آنچل ڈالنے کا تعلق اللہ کی بنائی ہوئی اور زیورات والی زینت سے نظر آتا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھا دی گئی کہ اگر لباس شوخ اور چمکدار یا متوجہ کرنے والا ہو، یا گلے کانوں میں زیور پہنا ہو تو اوپر سے چادر کو یوں گرا لیا جائے کہ خوب صورتی چھپ جائے۔ قرآن کریم نے زینت کے حوالے سے جو تعلیمات دی ہیں وہ نہ صرف متوازن ہیں بلکہ انسان کی ان خواہشات کے پیشِ نظر دی گئی ہیں جو وہ عام حالات میں

پوری کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایک خاتون زیورات کا استعمال کرنا چاہتی ہے تو وہ انھیں استعمال کرے لیکن نمود و نمایش اور دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ نہ بننے دے۔ اسی لیے آیت کے آخری حصے میں یہ نہیں کہا گیا کہ پاؤں میں پازیب کا استعمال منع ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ پاؤں کو اس طرح مار کر چلنا کہ وہ اس پازیب کو ظاہر کر دے، ممنوع ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے پاؤں کو اس طرح جنبش دینا کہ گویا پازیب تو نہ پہنی ہو لیکن فیشن پریڈ میں چلنے کا تاثر بن جائے تو یہ بھی غلط قرار پائے گا۔

بعض زینتوں کو اسلام نے جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے، جیسے شوہر کے لیے زینت کا اختیار کرنا، یا مسجد جاتے ہوئے مردوں کا اچھا لباس اور وضع قطع اختیار کرنا (الاعراف ۷:۳۱)۔ پھر یہ بات بھی اسی سیاق میں فرما دی گئی کہ ''اے نبیؐ، ان سے کہو، کس نے اللہ کی اُس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے اللہ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟'' (۷:۳۲)

جہاں تک سوال لباس کے اوپر گاؤن کے استعمال کا ہے اگر آپ غور کریں تو سادہ لباس خود جسم کی زینت کو چھپانے کے لیے ہوتا ہے۔ اگر اس پر گاؤن استعمال کر لیا جائے تو پھر زینت کے چھپانے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ چاہے گاؤن کی پیمایش قمیص کے لگ بھگ ہی ہو۔ لباس اگر سادہ ہے، یعنی شلوار قمیص جسم پر چست نہیں ہے، کپڑا اتنا باریک نہیں ہے کہ جسم نظر آئے تو صرف ایسی چادر جو جسم کے اوپر کے حصے کو پوری طرح ڈھانپ لے اور جس سے سر کے بال اور گردن یا سینہ نظر نہ آئے، جلباب کی تعریف میں آتی ہے جسے خود قرآن کریم نے متعین کر دیا ہے۔ آپ کے حوالے سے گاؤن اور اسکارف وہی کام کرتا ہے جو جلباب کا ہے۔ اس سے برقع کا مقصد بڑی حد تک حاصل ہو جاتا ہے۔ گاؤن سفید ہو یا براؤن یا گرے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کالج اور ہسپتال کے علاوہ بھی اسکارف کے ساتھ گاؤن نما کوٹ کا استعمال پردے میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ گاؤن بڑی حد تک برقع کا قائم مقام ہے اور خود زینت نہیں بلکہ زینت کو چھپانے کا ذریعہ ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

انعامی بانڈ: ایک ذہنی الجھن

س: ملکی معیشت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے اور مالی وسائل کے حصول کے لیے حکومتی سطح پر اسٹیٹ بنک کے توسط سے ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ، خاص ڈیپازٹ اسکیم، نیشنل پرائز بانڈ وغیرہ، اور دیگر مالیاتی اسکیموں کا اجرا کیا جاتا ہے۔ میرا سوال انعامی بانڈ (پرائز بانڈ) کے بارے میں ہے۔

انعامی بانڈ منسٹری آف فنانس کے تحت اسٹیٹ بنک آف پاکستان سے جاری ہوتے ہیں جو مختلف مالیت کے ہوتے ہیں۔ یہ بانڈ خریدنے کے بعد کسی بھی وقت دوبارہ بھنائے جاسکتے ہیں اور بغیر کسی کٹوتی کے پوری رقم واپس مل جاتی ہے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے انعام دیا جاتا ہے اور حکومتی سرپرستی کی وجہ سے دھوکا دہی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ انعام نہ نکلنے کی صورت میں اصل زر بھی محفوظ رہتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ انعامی بانڈوں کے بارے میں ہمارے علما میں ذہنی ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ کچھ اسے سود اور قمار بازی اور جوا کہتے ہیں۔ کچھ اس اسکیم کو جائز کہتے ہیں۔ کچھ کے نزدیک یہ لاٹری اور جوے کی مانند ہے، اور انعامی رقم جائز نہیں ہے۔ آپ وضاحت فرما دیجیے کہ انعامی بانڈ کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

ج: کسب مال کے ضمن میں قرآن پاک یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ دولت صرف حلال طریقوں سے حاصل کی جائے اور حرام طریقوں سے اجتناب کیا جائے۔ اکتسابِ مال کے ضمن میں سود کو حرام کیا گیا ہے (البقرہ ۲:۲۷۵-۲۷۹)، خواہ اس کی شرح کم ہو یا زیادہ اور خواہ وہ شخصی ضروریات کے قرضوں پر ہو یا تجارتی و صنعتی اور زراعتی ضروریات کے قرضوں پر۔ اسی طرح جوا (قمار) اور تمام وہ طریقے جن سے کچھ لوگوں کا مال کچھ دوسرے لوگوں کی طرف منتقل ہونا، محض بخت و اتفاق پر مبنی ہو، بھی حرام ہے۔ (المائدہ ۵:۹۰)

انعامی بانڈ (پرائز بانڈ) کی صورت کچھ یوں ہے کہ حکومتِ پاکستان مختلف حوالوں سے قرض لیتی ہے۔ اس قرض کی مختلف صورتیں ہیں جن میں بیرونی ادارے اور ممالک، مثلاً آئی ایم ایف،

ورلڈ بنک اور ایشین ڈویلپمنٹ بنک وغیرہ شامل ہیں، اور ملکی سطح پر حکومت کمرشل بنکوں کے علاوہ عوام سے بالواسطہ طور پر قرض حاصل کرتی ہے۔ یہ قرض ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ، اسپیشل سیونگ سرٹیفکیٹ اور انعامی بانڈ کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ حکومت اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سے لیے گئے ان قرضوں پر سود ادا کرتی ہے اور پاکستان کے بجٹ کی سب سے بڑی مد یہی سود اور قرضوں کی ادایگی (debt servicing) ہی ہوتی ہے۔

انعامی بانڈ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں: ''اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ بانڈ بھی اسی نوعیت کے قرضے ہیں جو حکومت اپنے مختلف کاموں میں لگانے کے لیے لوگوں سے لیتی ہے اور ان پر سود ادا کرتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے ہر وثیقہ دار (انعامی بانڈ خریدنے والے) کو اس کی دی ہوئی رقم پر فرداً فرداً سود دیا جاتا تھا، مگر اب جملہ رقم کا سود جمع کر کے اسے چند وثیقہ داروں کو بڑے بڑے انعامات کی شکل میں دیا جاتا ہے اور اس امر کا فیصلہ کہ یہ انعامات کن کو دیے جائیں گے، قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جاتا ہے...... یہ صورت واقعہ صاف بتاتی ہے کہ اس میں سود بھی ہے اور روحِ قمار بھی۔ جمع شدہ سود کی وہ رقم جو بہ صورتِ انعام دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقے پر ہوتا ہے جس طرح لاٹری میں لوگوں کے نام انعامات نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام پانے والے کے سوا تمام باقی لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کے ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے، لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقمِ قرض نہیں ماری جاتی۔ (ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۶۳ء بہ حوالہ رسائل و مسائل، حصہ سوم، ص ۲۳۹)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے یہ جواب ۱۹۶۳ء میں دیا، اس کے بعد ۱۹۶۹ء میں ربا کے مسئلے پر غور کے دوران پاکستان کی اسلامی مشاورتی کونسل نے انعامی بانڈ پر ملنے والی رقم کے بارے میں یہ رائے دی: ''انعامی بانڈ پر جو انعام دیا جاتا ہے وہ ربا (سود) میں شامل ہے''۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے جو کہ حکومتِ پاکستان کا ایک آئینی ادارہ ہے انعامی بانڈ کے ضمن میں اپنی سفارش بذریعہ مراسلہ نمبرے (۴۴) ۸۳-آر سی آئی آئی، ۲۲ فروری ۱۹۸۴ء کو

وزارتِ مذہبی امور کو اور وزارتِ خزانہ کو بتاریخ ۶ مارچ ۱۹۸۴ء ارسال کی جس میں حکومت سے کہا گیا: ''لہٰذا اسلامی نظریاتی کونسل وجوہاتِ مندرجہ ذیل کی بنا پر حکومت سے پرزور سفارش کرتی ہے کہ حکومت سابقہ کونسل کی سفارش کو فوری طور پر نافذ کر کے اس پر سختی سے عمل کرائے۔ چونکہ انعامی بانڈ اسکیم کی لعنت روز بروز فروغ پا رہی ہے۔ انعامی رقم سود ہے جواز روے شریعت ممنوع و حرام ہے۔ چونکہ انعامی بانڈ کی رقم پر ٹیکس نہیں ہوتا اس لیے لوگ اپنے کالے دھن کو چھپانے کے لیے انعامی بانڈ اسکیم کا سہارا لے رہے ہیں۔ سرمایہ کاروبار سے نکال کر اس اسکیم میں لگایا جا رہا ہے جس سے کاروبار کے مواقع کم ہو رہے ہیں۔ انعامی رقم بغیر محنت کے حاصل ہوتی ہے جو کہ میسر ہے جواز روے قرآن حرام ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پرزور دیتی ہے کہ انعامی بانڈ اسکیم اور دیگر اسی قسم کے کاروبار کا جو میسر کے زمرے میں آتے ہیں، مکمل طور پر قلع قمع کیا جائے۔ (اسلامی نظریاتی کونسل کی سالانہ رپورٹ، براے سال ۸۴-۱۹۸۳ء)

لہٰذا انعامی بانڈ کی نوعیتِ معاملہ، مولانا مودودیؒ کی تفصیلی رائے، اسلامی مشاورتی کونسل (۱۹۶۹ء) اور اسلامی نظریاتی کونسل (۱۹۸۴ء) کی دوٹوک رائے کی روشنی میں، انعامی بانڈ پر ملنے والی انعامی رقم سود ہے اور جس انداز اور قرعہ اندازی کے ذریعے انعام کا تعین کیا جاتا ہے وہ قمار کی صورت ہے۔ مزید برآں انعام پانے والوں کے بارے میں لوگوں کی یہ رائے کہ وہ شخص بہت خوش قسمت ہے اور اس پر ''اللہ کا خاص فضل و کرم'' ہے، جب کہ انعام سے رہ جانے والے لوگ کبھی تو اپنی قسمت کا رونا روتے ہیں اور اپنے مقدر کو کوستے ہیں، اور کبھی براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں عجیب و غریب باتیں سننے میں آتی ہیں جو منافی اسلام ہیں۔

مندرجہ بالا آرا اور دلائل کی بنا پر اور اپنے مال کو پاکیزہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انعامی بانڈ اور اسی طرح کے دوسرے سودی اور قمار پر مبنی کاروبار یا لین دین سے پرہیز کیا جائے اور اپنے دین کی حفاظت کی جائے اور دنیا کے فوری اور قلیل فائدے کے لیے اپنی آخرت کو خراب نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (پروفیسر میاں محمد اکرم)

کتاب نما

ملاقاتیں، ڈاکٹر سید عبدالباری۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف آب جکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی۔ صفحات: ۳۱۲۔ قیمت: ۱۴۵ روپے۔

ڈاکٹر سید عبدالباری [شبنم سبحانی] بھارت کے معروف اُردو ادیب، نقاد اور شاعر ہیں۔ ان کی مرتبہ یہ کتاب بیسویں صدی کی حسب ذیل ممتاز شخصیات سے مصاحبوں کا مجموعہ ہے: ○ ڈاکٹر سید محمود ○ ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی ○ جناب محمد اسماعیل ○ بیرسٹر یٰسین نوری ○ قاری محمد طیب ○ مولانا عبدالماجد دریابادی ○ مفتی عتیق الرحمٰن ○ محمد مسلم ○ بدرالدین طیب جی ○ مفتی فخرالاسلام ○ مولانا ابواللیث اصلاحی ○ مولانا صدرالدین اصلاحی ○ الحاج ذوالفقار ○ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

بقول مولف: ''یہ وہ افراد ہیں جنھوں نے گذشتہ صدی میں ملک وملت کی تعمیر وترقی اور اسے تباہی وانتشار سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا اور اس صدی کی برصغیر کی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی''۔

ڈاکٹر سید عبدالباری کا انداز، روایتی انٹرویو نگاروں سے قدرے مختلف ہے۔ مصاحبے کا آغاز وہ براہِ راست سوال جواب سے نہیں کرتے، بلکہ انٹرویو سے پہلے باقاعدہ ایک تمہید باندھتے ہیں اور اس تمہید میں، وہ ماحول کا پورا نقشہ کھینچتے اور گردوپیش پر تبصرہ بھی کرتے ہیں۔ بتاتے ہیں کہ کس شخصیت تک وہ کب اور کیسے پہنچے؟ اس سفر کی مختصر روداد بھی بیان کردیتے ہیں۔ اُن کے دل کش اور افسانوی اسلوب کی وجہ سے، اس طرح کی تمہیدات کہیں کہیں تو ایک شگفتہ سفرنامے کا ٹکڑا معلوم ہوتی ہیں۔ پھر متعلقہ شخصیت سے قاری کو متعارف کروانے کے لیے اُس کا سراپا بیان

کرتے ہیں اور اس کی سیرت و کردار کے تابناک گوشوں کو نمایاں کرتے ہوئے' پوری ایک فضا بناتے ہیں۔ سوال و جواب شروع ہوتے ہیں تو ان کے درمیان وہ اپنی سوچ اور اپنے تبصروں کے ذریعے اور ماحول کی نقشہ کشی کرتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ بسا اوقات وہ اپنی سوچ یا محسوسات کو کسی شعر (زیادہ تر علامہ اقبال اور اکبر کے اشعار) کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ اشعار کے نقل میں کئی جگہ انھوں نے (نادانستہ) تصرف کر دیا ہے (یہ حافظے کی کارفرمائی ہے) مثلاً: ص ۷۰' ۱۱۷' ۱۲۹' ۱۷۴' ۲۳۰ وغیرہ۔

ان مصاحبوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ مسلم رہنما' مسلمانوں کے زوال و انحطاط' ان کی پس ماندگی خصوصاً ان میں تعلیم کی کمی پر پریشان اور فکرمند ہیں۔ یہ سب حضرات اپنی اپنی سمجھ' فہم و بصیرت اور صلاحیتوں کے مطابق تعلیمی' علمی' سماجی اور سیاسی میدان میں بھارتی مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور اُن کی ترقی اور ان کے مستقبل کے لیے اپنی سی کاوش اور جدوجہد کرتے رہے۔ مایوس کن حالات میں بھی وہ کبھی بددل نہیں ہوئے۔ ان سب حضرات کے نزدیک اسلام کا مستقبل بہت روشن ہے۔

ان مصاحبوں سے بعض اہم اور دل چسپ باتیں سامنے آتی ہیں' مثلاً ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کے والد یوپی میں جج (منصف) تھے۔ گورنر میلکم ہیلے چاہتے تھے کہ وہ ایک مقدمے میں فیصلہ' حکومت کی حمایت میں کریں' مگر فریدی صاحب نہیں مانے۔ گویا بڑے ذمہ دارانہ مناصب پر فائز نام ور۔ انگریز بھی بددیانتی اور سازش کیا کرتے تھے--- مفتی فخرالاسلام عثمانی اس بات کو یوپی کے مسلمانوں پر ایک ''بہت بڑا سنگین الزام'' قرار دیتے ہیں کہ یوپی کے مسلمان' قیامِ پاکستان کی تائید میں تھے۔

دارالعلوم دیوبند بھارت میں مسلمانوں کا بہت بڑا تعلیمی مرکز ہے۔ سید عبدالباری صاحب نے بتایا ہے کہ وہاں ہر سال صرف ایک طالب علم کو ریسرچ پر لگایا جاتا تھا اور اسے ۵۰ روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ وہاں انگریزی زبان کی تدریس کا انتظام تو تھا مگر اسے تعلیم کا لازمی جز نہیں بنایا گیا اور نہ انگریزی کو باقاعدہ ایک مضمون ہی قرار دیا گیا (ص ۱۵۸)۔ قاری محمد طیب صاحب نے اس بدقسمتی کا بھی اعتراف کیا کہ ''ذہنی اعتبار سے پست اور فروتر طبقہ ہمارے یہاں آتا

ہے''۔ (ص ۱۶۳)

مجموعی طور پر ملاقاتیں ایک دل چسپ، معلومات افزا اور ذہن و فکر کو روشن کرنے والی کتاب اور برعظیم کے مسلمانوں کی سبق آموز داستان ہے۔ قاری محمد طیب صاحب نے پتے کی بات کہی ہے کہ قوم وہی زندہ رہ سکتی ہے جو اقدام کرے۔ اگر وہ دفاعی صورت اختیار کرے گی تو ختم ہو جائے گی۔ اسلام جب بھی بڑھا ہے اعلاے کلمۃ الحق اور شہادتِ حق کے راستے سے آگے بڑھا ہے۔ اُسے تو اِس بات پر جم جانا چاہیے کہ چاہے ہم فنا ہو جائیں لیکن خدا کے کلمے کو نیچا نہ ہونے دیں گے۔ (ص ۱۷۱)

کتاب میں شیخ الہند کا نام ہر جگہ ''محمود الحسن'' لکھا گیا ہے (ص ۶۲، ۱۴۴، ۱۵۴، ۱۷۹ وغیرہ) ''محمود حسن'' صحیح ہے۔ اسی طرح لاپرواہی (ص ۲۰۵) نہیں ''لاپروائی'' لکھنا چاہیے تھا۔ برعظیم کی سیاست و تاریخ اور بھارتی مسلمانوں کے مستقبل سے دل چسپی رکھنے والے اصحاب کے لیے ملاقاتیں میں قیمتی لوازمہ موجود ہے۔ کتاب کی طباعت و اشاعت معیاری ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

پاکستان میں عربی زبان، ڈاکٹر مظہر معین۔ ناشر: شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور۔ صفحات: ۲۴۰۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

فاضل مصنف نے پہلے باب بہ عنوان: ''پاکستان میں عربی زبان و رسم الخط'' میں بتایا ہے کہ ۶۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک برعظیم کے مختلف علاقوں میں سرکاری، دفتری اور عمومی زبان کی حیثیت سے عربی کی صورتِ حال کیا رہی ہے۔

مصنف بتاتے ہیں کہ غزنوی خاندان کے زمانۂ آغاز تک علمی اور دینی زبان تو عربی تھی ہی، مختلف حکومتوں کی دفتری زبان بھی بالعموم عربی رہی۔ عربوں کی دو ریاستیں، منصورہ اور ملتان میں قائم تھیں۔ ان کے چار سو سالہ دورِ حکمرانی میں یہاں عربی کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ فاضل مصنف نے ان دونوں ریاستوں کے تذکرے کے بجاے سندھ پر اکتفا کیا ہے۔ انھوں نے صرف سندھی زبان پر عربی کے اثرات کا جائزہ لیا ہے اور اس سلسلے میں چند الفاظ کی فہرست بھی

دی ہے۔ عرب دور میں سندھ نے کئی مقامی عرب شعرا پیدا کیے اور بہت سے سندھی علما نے سیرت' حدیث' فقہ اور علم کلام پر متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں ابوحشر سندھی اور ابوالعطا ملتانی کے نام معروف ہیں' مگر دونوں اصحاب کا نام کتاب میں نہیں ملتا۔

درحقیقت بلوچستان' سندھ اور جنوبی پنجاب کی زبانوں (بلوچی' سندھی اور سرائیکی) پر بھی عربی کے گہرے اثرات ہیں۔ یہاں بعض الفاظ (مثلاً ق اور ض) کا لہجہ خالص عربی کا ہے۔ ان زبانوں میں آج بھی کثیر تعداد میں عربی الفاظ ملتے ہیں جنھیں صرف ایک عربی دان ہی چھانٹ کر سمجھ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ان زبانوں میں فارسی الفاظ بھی کثرت سے ملتے ہیں۔

دوسرے باب میں مصنف نے بتایا ہے کہ ہمارے موجودہ نظامِ تعلیم (قدیم طرز کے دینی مدرسوں اور جدید تعلیم کے اداروں) میں عربی زبان کے نصاب اور تدریس وغیرہ کی کیا صورت ہے۔ باب ۳ میں پاکستان میں عربی زبان کی ترویج اور توسیع و ترقی کے لیے کی گئی کاوشوں کا ذکر ہے۔ اس ضمن میں ضروری دستاویزات اور عربی مجلات کی فہرست بھی شاملِ کتاب ہے۔

پروفیسر مظہر معین جامعہ پنجاب میں شعبہ عربی کے صدر اور اورینٹل کالج کے پرنسپل ہیں۔ جسٹس محبوب احمد کے بقول انھوں نے پاکستان میں عربی زبان کی تنفیذ کا مربوط مقدمہ' اہلِ علم اور اربابِ بست و کشاد کی دہلیز انصاف تک پہنچانے کی دل سوز کوشش کی ہے۔ (ص ۱۴)۔

اگرچہ کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں نظر آتی ہیں تاہم کتاب کی طباعت و اشاعت کا معیار اطمینان بخش ہے۔ (فیض احمد شہابی)

مشرف حکومت اور عدلیہ' عتیق الرحمن۔ ناشر: دارالشعور' ۳۲- میک لیکن روڈ' ایچ کے بی بی سنٹر' اے جی آفس چوک' لاہور۔ صفحات: ۱۹۷۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

وطن عزیز کے پاؤں میں مارشل لاؤں اور فوجی حکومتوں کی زنجیروں کا بدنما داغ نہ ہوتا تو نجانے یہ تعمیر و ترقی کی کتنی منزلیں طے کر چکا ہوتا۔ دنیا بھر کی عدالتیں فراہمیِ انصاف کا فریضہ انجام دیتی ہیں لیکن ہمارے ملک میں عدالتوں نے بعض اوقات (مجبوراً ہی سہی) فوجی آمریت کو سندِ جواز فراہم کی ہے۔ تاریخ میں عدلیہ کے ایسے فیصلوں کو کس نظر سے دیکھا جائے گا؟ یہ بتانے

کی ضرورت نہیں۔

عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ نے ایک دوسرے انداز سے، موجودہ عسکری حکومت اور اس کے احتساب کے وعدوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ اُنھوں نے دلائل فراہم کیے ہیں کہ عدلیہ نے ملک، قوم اور آنے والی نسلوں کے مفاد کو نظریۂ ضرورت پر قربان کر دیا۔ بے نظیر بھٹو اور میاں محمد نواز شریف نے اپنے اپنے دورِ اقتدار میں (دو دو بار) عدلیہ کو جس طرح استعمال کیا۔ اس کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

موجودہ حکومت احتساب پر مکمل طور پر عمل درآمد کیوں نہ کر سکی؟ کروڑوں روپے لوٹنے والوں کو کیفر کردار تک کیوں نہ پہنچا سکی اور عدلیہ کی مجموعی کارکردگی کیوں نہ بہتر بن سکی؟ یہ تمام مباحث کتاب کے پچیس ابواب میں سمیٹ دیے گئے ہیں بقول مصنف: ''یہ کتاب مشرف دورِ حکومت کے عدالتی فیصلوں کی تاریخ ہے'' (ص ۵)۔

پاکستان، قانون اور حالاتِ حاضرہ سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک مفید کتاب ہے۔(محمد ایوب منیر)

ادراکِ زوالِ اُمت، جلد اول، راشد شاز۔ ناشر: ملی پبلی کیشنز، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔ صفحات: ۵۳۳۔ قیمت: ۳۰۰ بھارتی روپے۔

خوش کن پیش کاری کے ساتھ اس کتاب میں وحی، تعبیر، فقہ، تصوف اور خود اہلِ فقہ و تصوف کے مابین پیدا کردہ مناقشوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ تاہم اس مجموعے کو ایک ایسی سوچ کی صدائے بازگشت قرار دینا غلط نہ ہوگا جو فی الحقیقت مرعوبیت اور تجدد پسندی ہی کا تسلسل ہے۔ مصنف کی فکرمندی سے انکار نہیں، اور محنت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، مگر صحت پانے کی خواہش میں اگر کوئی خودکشی کے راستے پر چل نکلے تو اسے 'روشن خیالی' اور 'خردمندی' کے برعکس کسی لفظ ہی سے منسوب کیا جائے گا۔

مصنف نے لکھا ہے: ''اسلام کی ابتدائی صدیوں میں کس طرح رفتہ رفتہ وحی کے بجائے متعلقاتِ وحی کو اس قدر اہمیت ملتی گئی کہ مُسلم حنیف ہونا بڑی حد تک ایک تہذیبی شناخت بن کر

رہ گیا'' (ص ۱۴)۔ کتاب کی بنیادیں اس 'معصومانہ جملے' میں پنہاں ہیں۔ اگر صرف حروفِ الٰہی سے ہدایت کا دائرہ مکمل ہونا مطلوب ہوتا تو انبیا و رسلؑ کے ادارے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

آگے چل کر کتاب میں جس طرح حدیث، فقہ اور تعامل کو یک رُخے پن سے نشانۂ تنقیص و استہزا بنایا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کے دفاع سے زیادہ انہدام سرمایۂ حدیث و فقہ پیش نظر ہے۔ لکھتے ہیں: ''سنت کے حوالے سے اسوۂ رسولؐ کا ایک ماورائے قرآن ماخذ وجود میں آجانے سے، عملاً ہوا یہ کہ مسلمانوں کے یہاں بھی تاریخ، اسی تقدیس کی حامل ہوگئی جس کا شکار پچھلی قومیں ہوچکی تھیں'' (ص ۲۱۷)۔ ''ائمہ اربعہ ایک ایسی جبری تاریخ [ہے] جو بجا طور پر مسلمانوں کے عہدِ زوال سے عبارت ہے'' (ص ۳۰۵)۔ اسی نوعیت کے ''استدلال'' سے یہ کتاب عبارت ہے۔ (سلیم منصور خالد)

ہمارا سفر، ترتیب: عابدہ چغتائی۔ ناشر: الجمعیۃ پبلی کیشنز، مرکز طالبات، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۱۹۰۔ قیمت: ۴۰ روپے۔

اسلامی جمعیت طالبات پاکستان، معاصر مسلم دنیا میں طالبات کا ایک قابلِ قدر قافلۂ دعوتِ حق ہے جس نے مغرب اور خود مسلم دنیا کی سیکولر یلغار سے مسلم طالبات کو بچانے کے لیے عظیم جدوجہد کی ہے۔ ستمبر ۱۹۶۹ء میں قائم ہونے والی اس تنظیم نے مسلم خواتین کے مستقبل کو ایسی سعید روحوں سے مربوط کیا ہے کہ آج ہر میدان میں جدید پڑھی لکھی خواتین، اسلام کی حقیقی رضا و منشا کے مطابق دعوت، تربیت اور تعمیر کی کوششوں میں سرگرمِ عمل ہیں۔

یہ کتاب دراصل، اسلامی جمعیت طالبات کی تاریخ پیش کرتی ہے، جسے تنظیم کی سابق پانچ ناظماتِ اعلیٰ (ڈاکٹر اختر حیات، ڈاکٹر کوثر فردوس، ڈاکٹر فوزیہ ناہید، نگہت ودود، عابدہ فرحین) کے مصاحبوں (انٹرویوز) کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اُن کے زمانۂ نظامت (۱۹۸۰ء-۱۹۸۷ء) میں مختلف النوع تجربات، مشکلات، واقعات اور اہم معلومات کو اس طرح پیش کیا جائے کہ قافلۂ راہِ حق میں شامل ہونے والی نئی طالبات اس حقیقت کو جان سکیں کہ یہ قافلۂ عزیمت کن راہوں سے گزر کر آج ہمیں سعادت و عزیمت کی شمعیں عطا کر رہا ہے۔ (س-م-خ)

جنات کا پوسٹ مارٹم، الشیخ حافظ مبشر حسین۔ ناشر: نعمانی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۴۵۴۔ قیمت: درج نہیں۔

مستقبل میں قسمت کا حال جاننے کی آرزو اور تجسس ہمیشہ سے انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو رہا ہے۔ انسان بہتر زندگی کے لیے منصوبہ بندی اور تگ و دو کرتا ہے لیکن خوابوں کے محل تعمیر کرتے ہوئے، غیبی اور تخمینی علوم کا سہارا لیتا ہے اور اکثر و بیشتر صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔ اسی لیے اہلِ علم ایسے لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ ہر دور میں انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ زیرنظر کتاب میں قرآن وسنت کی روشنی میں نام نہاد عاملوں، کاہنوں، جادوگروں اور ایذا دینے والے جنات کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔

علمِ وحی نے صحیح سمت میں ہماری رہنمائی کی ہے۔ علم وحی سے ہٹ کر دیگر علوم کی بھی اپنی ایک تاریخ ہے اور وہ سبھی باطل بھی نہیں، لیکن ان علوم کی حقیقت کیا ہے؟ شریعت کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ علمِ ہیئت اور علمِ نجوم کی حقیقت، علمِ کہانت و عرافت کی مختلف صورتوں، قیافہ شناسی اور دست شناسی کی شرعی حیثیت، فال، استخارہ، جفر، علم الاعداد، رمل اور جادو ٹونے کی مختلف نوعیتوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے لیکن کتاب کا سب سے دل چسپ حصہ جنوں کے بارے میں ہے۔ جنات کی اقسام، خوراک و رہایش، شادی بیاہ، انسانوں سے ان کا تعلق، ایذا رسانی اور جن نکالنے کے عام اور ائمہ سلف کے طریقوں کی تفصیل اور لائقِ مطالعہ ہے۔

کتاب میں، دم، تعویذ اور شیطانی وساوس دُور کرنے کے طریقے اور اس ضمن میں متفرق مباحث شامل ہیں۔ مصنف نے ان امور پر بحث کرتے ہوئے اعتدال سے کام لیا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب قارئین کے تجسس کے لیے باعث تشفی ہوگی۔ (عبداللہ شاہ ہاشمی)

پھٹا ہوا دودھ، اختر عباس۔ ناشر: ادارہ مطبوعات طلبہ، ۱-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور۔ صفحات: ۱۶۹۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

اگر بچوں کو کوئی بہت اہم مسئلہ سمجھانا ہو لیکن سمجھانے والا سمجھانے کی اہلیت ہی نہ رکھتا ہو

تو نتیجہ خاطر خواہ نہیں نکلے گا۔ پھٹا ہوا دودھ کے مصنف کو خدا نے اس صلاحیت سے بخوبی نوازا ہے۔ یہ پُرتاثیر، دل گداز اور ایک خاص کیفیت والی کہانیاں ہیں۔

ہمارا المیہ ہے کہ ہم بچوں کو کھانے پینے، اوڑھنے اور تعلیم وغیرہ جیسی تمام ضروریات تو مہیا کر دیتے ہیں، مگر ان کی جذباتی دنیا کی دیکھ بھال کرنا بھول جاتے ہیں۔ ان کہانیوں کو پڑھتے ہوئے شدت سے اِس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اگر ہم بچوں کے جذبات و احساسات کی پروا اور قدر کریں اور ان کے مثبت جذبات کو نشوونما دیں تو معاشرہ بہت خوب صورت دکھائی دے گا۔ ''آ لنے سے گری'' کہانی اسی نکتے کو اجاگر کرتی ہے۔

ان کہانیوں میں افسانہ نگار، باتوں ہی باتوں میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں کہ وہ سیدھی دل میں جا اترتی ہے اور بہت کچھ سوچنے پر مجبُور کرتی ہے۔ دراصل یہ ہمارے ہی معاشرے کے جیتے جاگتے انسانوں کی کہانیاں ہیں۔ مصنف نے ان کا اصل کردار دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے، مثلاً ہم اپنے اردگرد لاکھوں بچوں کو کام کرتا دیکھتے ہیں، ''پھرکی'' اسی طرح کے ایک بچے کی کہانی ہے۔

اختر عباس کو ''ایڈیٹر بھیا'' کے طور پر کہانی لکھنے اور اُسے پُراثر بنانے کا فن آتا ہے۔ چنانچہ ان کے مخصوص اسلوب میں لکھی گئی یہ کہانیاں ایسی ہیں کہ بقول طارق اسماعیل ساگر: ''آپ ایک بار انھیں پڑھنے بیٹھ گئے تو پھر اُن کے سحر سے بچ نہیں پائیں گے''۔ (قدسیہ بتول)

تعارف کتب

☆ ایران کی چند اہم فارسی تفسیریں (دو جلدیں)، کبیر احمد جائسی۔ ناشر: قرطاس (ادارہ تصنیف و تالیف و ترجمہ) سی ۶۸، سٹاف ٹاؤن، کراچی یونیورسٹی، کراچی ۷۵۲۷۰۔ جلد اول، صفحات: ۲۰۳، قیمت: ۲۰۰ روپے۔ جلد دوم، صفحات: ۲۳۷، قیمت: ۱۸۰ روپے۔ [چند فارسی تفسیروں کا تعارف اور تجزیہ]۔

☆ مولانا شبلی بحیثیت سیرت نگار، ظفر احمد صدیقی۔ ناشر: مصنف، شعبہ اُردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ صفحات: ۳۰۴۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔ [مولانا شبلی کی سیرۃ النبیؐ میں بعض فروگذاشتوں اور لغزشوں کا ایک علمی محاکمہ]۔

☆ **اذان**' حبیب الرحمٰن ہاشمی۔ ناشر: مکتبہ قاسمیہ' ملتان۔ صفحات: ۱۲۸۔ قیمت: ۶۰ روپے۔[اذان کے احکام' مسائل' اہمیّت وفضیلت' فوائد' احتیاطیں' اسلامی تاریخ میں اس کی روایت اور موذن کا مقام و مرتبہ وغیرہ پر ایک مفید کتاب]۔

☆ **جزیرہ کی بازیافت**' ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی۔ ناشر: فاران اکیڈمی' اقرا کالونی' علی گڑھ' یوپی' بھارت۔ صفحات: ۵۶۔ قیمت: ۳۰ روپے۔[بمبئی سے ۱۶۵ کلومیٹر دور واقع ریاست جنجیرہ (جزیرہ کی بگڑی ہوئی شکل) کے سفر کی ایک روداد۔ مصنف کی علمیت' شعری ذوق اور دل کش اسلوب نے اس روداد کو بہت دل چسپ بنا دیا ہے۔]

☆ **جمعہ کی چھٹی کی دینی وقومی اہمیّت**' مولانا عامر عثمانی۔ ناشر: مکتبہ الحجاز پاکستان۔ ۲۱۹-اے بلاک سی' الحیدری' شمالی ناظم آباد' کراچی-۷۴۷۰۰۔ صفحات: ۱۶۔ قیمت: ۵ روپے۔[یومِ جمعہ کی فضیلت و اہمیّت اور جمعہ بطور تعطیل پر دل چسپ' مدلل اور اثر آفریں تحریر۔]

☆ **سورۃ الفاتحہ کے درس**' خرم مراد' تدوین: امجد عباسی۔ ناشر: منشورات' منصورہ' لاہور۔ صفحات: ۷۲۔ قیمت: ۲۱ روپے۔[سورۃ الفاتحہ کے چار محفوظ دروس کی تحریری ترتیب وتدوین۔ دل نشین انداز اور عام فہم اسلوب میں دین کی بنیادی باتوں کا بیان۔ عنوانات: خلاصہ مضامین' شانِ نزول' اللہ کا تصور' شانِ ربوبیت' شانِ رحمت' شانِ عدل' بندگی اور عبادت' صراطِ مستقیم' ہدایت یافتہ لوگ--- تعلیمی' تربیتی اور دعوتی لحاظ سے ایک مفید کتاب۔]

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔ (ادارہ)



مستقبل میں اسلام آباد کا سیکٹر 18 / B

منظر کوہسار

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ

سیکٹر 1 میں کشادہ سڑکیں، پارکیں، سیوریج، واٹر سپلائی مکمل

سیکٹر II کے ترقیاتی کام 80% مکمل اور سیکٹر III کے ترقیاتی کام تیزی سے مکمل کئے جا رہے ہیں

سائٹ .... راولپنڈی سے ٹیکسلا جاتے ہوئے مرگلہ ہلز سے بائیں طرف پیٹرول پمپ کے ساتھ ڈسٹرکٹ کونسل روڈ پر ڈیڑھ کلومیٹر، موٹر وے انٹرچینج اور نئے ائیر پورٹ سے 8 کلو میٹر، سنگ جانی ٹول پلازہ سے متصل، بڈھانہ تحصیل سے ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

بکنگ

بکنگ کے لئے 5 ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے بینک ڈرافٹ اکاؤنٹ نمبر 966 بنک آف پنجاب وحدت روڈ برانچ لاہور بھیجیں۔

قیمت اور اقساط

صرف 45 ہزار روپے فی مرلہ

باقی رقم تین سال کی آسان اقساط میں۔

جبکہ قریبی سوسائٹیوں میں قیمت 1 لاکھ روپے فی مرلہ سے بھی زائد ہے۔

[1 کنال = 500 مربع گز] | 5، 10 مرلہ اور 1 اور 2 کنال کے صرف چند پلاٹ دستیاب ہیں۔

عظیم رعایت 31 مارچ 2004ء سے پہلے بکنگ کرانے پر 5 مرلہ پر 25 ہزار روپے، 10 مرلہ پر 50 ہزار روپے اور کنال پر ایک لاکھ روپے کی عظیم رعایت

لاہور کے منصوبہ جات

گلشن احباب فیز I (مکمل)

گلشن احباب فیز II (مکمل)

شاداب کالونی (تعمیری مراحل)

گیلانی پارک (مکمل)

گیلانی ہومز (مکمل)

بلال ٹاؤن (مکمل)

بدر بلاک (زیر تکمیل)

مری کے منصوبہ جات

احباب گارڈنز (زیر تکمیل)

احباب ولاز (مکمل)

ہل ویو اپارٹمنٹس (مکمل)

اسلام آباد / راولپنڈی کے منصوبہ جات

منظر کوہسار (زیر تکمیل)

احباب ایگرو فارمز فیز I

احباب ایگرو فارمز فیز II (زیر تکمیل)

مارگلہ ٹاؤن (زیر تکمیل)

سستے جھگڑوں سے پاک پلاٹ مہیا کرنے والا تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کا پہلا اعتماد والا ادارہ

پہلا منفرد منصوبہ

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ہیڈ آفس: بن ہاؤس 1-اے فیروز روڈ، اولڈ مسلم ٹاؤن، لاہور

اسلام آباد

میں رابطے کے لئے

عمر گیلانی

0333-5210946

تنویر فشاء

0300-5367784

سعودیہ میں رابطہ کے لئے راحیل احمد موبائل 00966-54398159 فیکس 00966-43925438 ای میل Raheelch@hotmail.com

مدیر کے نام

ڈاکٹر حفیظ انور' ملتان - فاروق احمد میمن' کراچی - عاصم نعیم' بھکر

''قائدانہ کردار'' (فروری ۲۰۰۴ء) بہت موثر اور مفید مضمون ہے۔ پڑھ کر جذبات کو مہمیز ملی' اپنے کو مزید منظم کرنے کی طرف توجہ ہوئی' اور صلاحیتوں کو نکھارنے کی سوچ پیدا ہوئی۔ اس میں تجاویز پر عمل کر کے انفرادی اور اجتماعی اصلاح میں مثبت نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

محمد صدیق' روات' اسلام آباد

''بوسنیا: چند مشاہدات'' (فروری ۲۰۰۴ء) بصیرت افروز مضمون ہے۔ بوسنیا کے مسلمان اس وقت جن مشکلات کا شکار ہیں' اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان اور عالم اسلام بوسنیا کی بحالی اور تعمیر نو میں بھرپور طریقے سے تعاون کر کے ملّی یک جہتی کا ثبوت دیں۔

بشیرالدین میمن' ٹھاروشاہ' سندھ

''انسان مشقت میں پیدا کیا گیا ہے'' (جنوری ۲۰۰۴ء) ایک اچھی کاوش ہے۔ پڑھ کر لطف آیا' تقابلی مطالعے کے شوق کو کچھ غذا ملی۔ یہ سلسلہ اگر مستقل ہو تو کتنا اچھا ہے!

فہم حدیث کے تحت ''کلام نبویؐ کی کرنیں'' ترجمان کے اہم سلسلوں میں سے ایک ہے۔ مولانا عبدالمالک کا شرحِ حدیث کا اسلوب بہت عمدہ ہے' ماشاء اللہ! اس کے صفحات بڑھانے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

پروفیسر فریدون صدیقی' باجوڑ ایجنسی

''تصوف: اسلامی نقطۂ نظر'' (جنوری ۲۰۰۴ء) نظر سے گزرا۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ قرآن مجید اور احادیث کے مطالعے سے ہم جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جہاد سب سے زیادہ پسند ہے' جب کہ تصوف کی اصطلاح میں جہاد خارج از بحث ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ: اعمال کی

چوٹی جہاد ہے۔ قرآن مجید میں جہاد کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ جہاد ایک مسلمان کو خانقاہ سے نکال کر میدانِ عمل میں لاکر کھڑا کر دیتا ہے، طاغوت سے ٹکرانے اور غلبۂ دین کے لیے انتہائی جدوجہد کا حکم دیتا ہے، جب کہ تصوف صرف پوجاپاٹ کی حد تک عبادت کا تصور دیتا ہے۔ تصوف تو جوگیوں، بھکشوؤں، درویشوں، سنیاسیوں، پادریوں، برہمنوں اور پجاریوں کی سی ایک قسم ہے جو صرف پوجاپاٹ کر کے اپنی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ ذکر بھی تصوف میں ایک محدود عمل ہے، لہٰذا اسلام کا مطلوب تصوف نہیں جہاد ہے۔

ابوزبیر، اٹک

ڈاکٹر انیس احمد ''رسائل و مسائل'' (دسمبر ۲۰۰۳ء) میں لکھتے ہیں: ''اسلام نے لباس کے حوالے سے قرآن و سنت میں جو اصول ہمیں دیے ہیں، ان میں جسم کا تحفظ، زینت اور سادگی کے ساتھ یہ بات بھی شامل ہے کہ نہ تو اس سے تکبر کا اظہار ہو اور نہ جان بوجھ کر لاپروائی اور غربت کا اظہار کیا جائے''۔ اسلام کا انتہائی اہم اصول یہ ہے کہ ایسا لباس نہ پہنا جائے جس سے جسم کے اعضا نظر آئیں اور نمایاں ہوں۔ اگر یہ اصول بھی بیان کر دیا جاتا تو اسلام کی مکمل ترجمانی ہوتی۔

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا



امن و محبت کی بستی ۔ اکیسویں صدی کا محورِ تعلیم و تحقیق

محورِ تعلیم و تحقیق

قرطبہ

مدینۃ العلم نے ملکی اور بین الاقوامی، مذہبی اور تہذیبی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے ایک مثالی اسلامی شہر، جو کہ اکیسویں صدی کے لیئے تعلیم و تحقیق کا محور ہوگا، بنانے اور آباد کرنے کا عظیم منصوبہ قرطبہ ترتیب دیا ہے۔ اس منصوبہ کو معرض وجود میں لانے کے لیئے امیر جماعت اسلامی پاکستان محترم قاضی حسین احمد کی قیادت میں دنیائے اسلام کے مذہبی، تہذیبی، تمدنی اور تکنیکی ماہرین کمربستہ ہیں۔

محلِ وقوع:

اسلام آباد جس کا شمار دنیا کے چند خوبصورت اور صاف ستھرے شہروں میں ہوتا ہے کی فضاؤں کو مجوزہ شہر قرطبہ کے لیئے منتخب کرتے ہوئے اسلام آباد سے تقریباً 50 کلومیٹر کے فاصلہ پر پاکستان موٹروے، چکری انٹرچینج سے ملحقہ خوبصورت پہاڑوں کے دامن میں، کھلے اور پُر فضا ماحول میں وسیع و عریض اراضی خریدتے ہوئے عظیم منصوبے قرطبہ کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے۔

مجوزہ سہولیات:

انشاءاللہ قرطبہ اُن تمام جدید رہائشی سہولیات سے مزین ہوگا جو تکنیکی ماہرین اب تک مہیا کر سکے ہیں۔ مثلاً

★ آبادکاری کی صد سالہ منصوبہ بندی ★ بین السیکٹر شاہراہ، کشادہ سڑکیں فٹ پاتھ ★ بارشی پانی کے نکاس کا نظام ★ پینے کے میٹھے پانی کی فراہمی کا نظام ★ گندے پانی کو ٹھکانے لگانے کا انتظام ★ بجلی کی فراہمی کا زمین دوز نظام ★ ٹیلی فون کا نظام ★ قدرتی گیس کی فراہمی کا نظام ★ خریداری مراکز کی عمارات ★ معاشرتی مقاصد کے لیئے سوک سنٹر، خواتین و حضرات کے لیئے سکول کالجز اور پرائمری سکول، ہسپتال، سیکٹر مساجد کی عمارات ★ پولیس اسٹیشن، پوسٹ آفس، فائر بریگیڈ کی عمارات ★ قرطبہ کے اندر بس سٹاپ اور دوسرے شہروں کو آنے جانے والے راستوں پر بس سٹاپ ★ پیٹرول پمپ ★ شجرکاری اور پارک بنانے اور دیکھ بھال کا نظام ★ حفاظتی دیوار اور سیکورٹی کا نظام ★ کوڑا کرکٹ ٹھکانے لگانے کا نظام ★ سٹریٹ لائیٹ کا نظام ★ مدینۃ العلم کے دفتر اور سہولیات کو چلانے اور دیکھ بھال کا دفتر اور ورکشاپ کی عمارات

رہائشی سہولیات کی دیکھ بھال کا نظام

قرطبہ میں فراہم کردہ تمام سہولیات کا انتظام و انصرام مدینۃ العلم کرے گی۔ جس کے لیئے خصوصی ضابطہ تشکیل دیا جائے گا اور تمام رہائشی اُس کے پابند ہوں گے۔

خصوصی سہولیات:

★ قرطبہ کے لیئے اندرونی ٹرانسپورٹ کا نظام ★ قرطبہ سے راولپنڈی اور اسلام آباد تک ٹرانسپورٹ کا نظام ★ گھروں کی تعمیر کے لئے آرکیٹیکٹ کی خدمات اور ہر پلاٹ سائز کے لئے 50 نمونہ کے ڈیزائن کی فراہمی ★ بلوں کی ادائیگی اور شکایات کے ازالے کے لئے ون ونڈو اپریشن ★ قرطبہ کو تعمیر اور آبادی کے مرحلہ کے بعد بھی خوبصورت رکھنے کے لئے خصوصی تعمیراتی قوانین

امتیازی خصوصیات:

★ **بین الاقوامی یونیورسٹی:** بین الاقوامی یونیورسٹی اور تعلیمی مرکز کا قیام وانصرام

★ **جامع مسجد قرطبہ:** وسیع و عریض میدان سے ملحقہ جامع مسجد اور دینی و تہذیبی تحقیقی مرکز کا قیام وانصرام

★ تمام گھر یونیورسٹی اور دینی مرکز سے کیبل کے ذریعہ منسلک

★ خواتین کے لئے خصوصی تجارتی مراکز کا قیام

قیمت پلاٹ:

27,000 کنال پر مشتمل عظیم الشان منصوبہ میں ترقیاتی اخراجات سمیت یکمشت ادائیگی / قسطوں پر پلاٹ حاصل کیجئے۔ خواہشمند حضرات کے اصرار پر سابقہ اور نئے خریداروں کی سہولت کیلئے ادائیگی اقساط کی مدت تین سال کر دی گئی ہے۔ پلاٹ کی قیمت میں کسی اضافے کے بغیر اقساط میں 33.3% کمی کی سہولت حاصل ہوگئی ہے۔

بمعہ ترقیاتی اخراجات

پلاٹ سائز	قیمت پلاٹ	20 % ادائیگی بکنگ	گیارہ سہ ماہی اقساط میں	آخری قسط
500 گز	500,000 روپے	100,000 روپے	34,000 روپے	26,000 روپے
250 گز	250,000 روپے	50,000 روپے	17,000 روپے	13,000 روپے
125 گز	125,000 روپے	25,000 روپے	8500 روپے	6500 روپے

یکمشت ادائیگی کی صورت میں قیمت پر 10 فیصد خصوصی رعایت دی جائے گی۔

طریقہ کار:

★ درخواست فارم جو کہ بمعہ بروشر معلومات درج ذیل دفاتر و دفاتر جماعت اسلامی سے حاصل کیا جاسکتا ہے، کے ہمراہ شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور تین پاسپورٹ سائز تصاویر لگائیں اور چیک / ڈرافٹ (بنام مدینۃ العلم) کے ساتھ ہمارے پتہ پر ارسال فرمائیں (ڈرافٹ کے پیچھے مکمل نام و پتہ ضرور درج کیجئے)۔

★ ادائیگی کی سہولت پاکستان میں بینک الفلاح لمیٹڈ کی تمام برانچوں میں موجود ہے۔

برائے پاکستانی روپے (Pak Rs.) اکاؤنٹ نمبر 01135017

برائے ڈالر (U.S. $) اکاؤنٹ نمبر 01801194

مدینۃ العلم

(کمپنیز آرڈیننس 1984 دفعہ 42 کے تحت رجسٹرڈ)

لاہور (ہیڈ آفس)
منصورہ ملتان روڈ لاہور، پاکستان
فون: 5419520-4, 5432391-5 فیکس 92-42-5432194
URL:http://www.jamaat.org E-MailL Amir@ji.org.pk

اسلام آباد (پروجیکٹ آفس)
فلیٹ نمبر 4 بلاک ... فضل حق روڈ بلیو ایریا اسلام آباد۔
فون نمبر 92-51-2206380, 2274563 فیکس 92-51-2270411
تکنیکی تجاویز: QurtabaCity@hotmail.com


ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ پہلے ہمارے اور دوسروں کے منصوبے دیکھیں اور پھر خریدنے کا فیصلہ کریں
ہمارے گلدستہ میں ایک خوبصورت پھول کا اضافہ
کوہسار سٹی مری
پلاٹ سائز: 5 مرلہ، 10 مرلہ اور ایک کنال
قیمت: 50 ہزار روپے فی مرلہ
ایڈوانس: 5 ہزار روپے فی مرلہ بقایا 30 برابر ماہانہ اقساط میں
نقد ادائیگی کی صورت میں 10 فیصد رعایت اور فوری قبضہ اور تعمیر کی اجازت
تحریکی بھائیوں اور قاضی انٹرپرائزز کے ممبران کے لیے
31 مارچ 2004 تک ایک لاکھ روپے فی کنال کی خصوصی رعایت
محل وقوع
بھوربن روڈ سے موہڑہ شریف روڈ پر صرف چند منٹ کے فاصلہ پر، انتہائی خوبصورت اور لش پش جگہ جہاں ہر طرح کے پھلدار، پائین اور سیبوں کے درختوں سے بھرمار انتہائی خوبصورت ماحول
فیملی اپارٹمنٹ مری
FAMILY APPARTMENT
بھوربن روڈ پر، کشمیری بازار میں جہاں سہولیات آپ کے دروازے پر، انتہائی خوبصورت لوکیشن اور مناسب قیمت پر اپارٹمنٹ
قیمت صرف 11 لاکھ روپے
ایک لاکھ روپے بوقت بکنگ، بقایا 30 برابر ماہانہ اقساط میں
PIA HELEPAD BHURBAN
BHURBAN GOLF CLUB
PC BHURBAN
FAMILY APARTMENT MURREE
TO PC
12 MIN DRIVE FROM MURREE
KOHSAR CITY
قاضی انٹرپرائزز
8- جنگ بلڈنگ مری روڈ راولپنڈی
فون: 111-700-400 فیکس 051-5962230
E.mail:shaukat@isb.comsats.net.pk
Web:www.qazi.com.pk